124

حیاتِ حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(حضرت امام حسنؓ اور اُن کی شخصیت و عہدِ خلافت)

پیام شاہجہان پوری

ناشران

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

حیاتِ حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(حضرت امام حسنؓ اور اُن کی شخصیت و عہدِ خلافت)

پیام شاہجہان پوری

ناشران

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

ناشر اول ـــــ ملک دین محمد [illegible]

طابع ـــــ ملک محمد عارف

مطبوعہ ـــــ دین محمدی پریس لاہور

تعداد طبع ـــــ ۱۰۰۰

قیمت مکینکل کاغذ ـــــ چار روپے

ایڈیشن اول ـــــ مئی ۱۹۶۴ء

حیاتِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیش لفظ

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت بڑی متنازعہ فیہ ہے، ایک طبقہ انہیں معصوم عن الخطا قرار دیتا ہے، دوسرے طبقہ کے خیال میں انہوں نے خلافت سے دست بردار ہو کر ایک باغی حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے اور جس شخصیت سے اُن کے والدِ گرامی اپنے سارے عہدِ خلافت میں برسرِ پیکار رہے اُسے خلافت تفویض کر کے انہوں نے اپنے والد ماجد کے تمام افکار و نظریات پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ تیسرے طبقہ کے خیال میں وہ امت کی فلاح و بہبود کے لئے خلافت جیسے پرشکوہ منصب سے دست بردار ہو گئے اس لئے وہ عظیم کردار کے حامل تھے۔ مورخین کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کے نزدیک وہ خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تو تیار نہ تھے مگر ان

ان کی وفات کا مسئلہ بھی بڑا متنازعہ فیہ ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انہیں امیر معاویہؓ نے زہر دلوایا تھا۔ دوسرا گروہ اس خیال کا حامل ہے کہ حضرت امام حسنؓ کو زہر دلوانے میں امیر معاویہؓ کا نہیں یزید کا ہاتھ تھا۔ بعض مورخین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ نہ تو امیر معاویہؓ نے زہر دلوایا نہ یزید نے بلکہ ان کی بیوی نے از خود انہیں زہر دیا تھا۔ غرض حضرت امام حسنؓ کی تاریخ ساز شخصیت اختلاف و اتفاق کے دبیز پردوں میں کچھ اس طرح مخفی ہو گئی ہے کہ ایک جویائے حقیقت کے لئے اس تک رسائی حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

سیدنا حضرت امام حسنؓ کی شخصیت پر سے ان دبیز پردوں کو اٹھاتے ہوئے مورخ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس وادیٔ خار زار کے مسافر ہیں۔ اسے ہماری بدقسمتی کہنا چاہیئے کہ تاریخ اسلام کی بڑی بڑی شخصیتوں (خلفائے راشدین اہلبیت رسولؐ اور اصحاب رسولؐ) کے متعلق بھی مسلمانوں میں زبردست اختلاف ہے اور ان میں سے کوئی شخصیت ایسی نہیں جس کے ساتھ عقیدتمندوں اور مخالفوں کے بڑے بڑے گروہ وابستہ نہ ہوں۔ یہ گروہ ان شخصیتوں کے ساتھ اس زمانہ سے وابستہ ہیں جب تاریخ نویسی کی ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ ان مختلف الخیال لوگوں نے ان شخصیتوں کے متعلق موافق و مخالف

روایتوں کا انبار لگا دیا ہے۔ یہی روائتیں ہماری تاریخ کی اساس ہیں۔

ایک بڑی مشکل یہ ہے جس سے مورخ کو دوچار ہونا پڑتا ہے کہ ہماری تاریخ کا مذہب کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ یعنی ان تاریخی شخصیتوں میں سے ہر شخصیت ہماری مذہبی عقیدت کا مرکز بن چکی ہے۔ تاریخ اور مذہبی عقیدت کے یک جا ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی شخصیت کے متعلق آزادی اور بیباکی سے رائے ظاہر کرنا بڑا مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ میرے خیال میں تاریخ اسلام کے بہت سے پہلوؤں کے تشنہ رہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

بہر حال میں نے اس کتاب میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ سیدنا حضرت امام حسنؓ کی متنازعہ فیہ شخصیت کے ہر پہلو کو سامنے لایا جائے ان کے متعلق جتنے اختلافات ہیں ان پر کھل کر گفتگو کی جائے اور ان پر جو الزامات عائد کیے جاتے ہیں تاریخ کی روشنی میں ان کا تجزیہ کر کے ان کی تردید کی جائے۔ میں نے اس کتاب کا آغاز حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ذکر سے کیا ہے اور دنیا کی ان سب سے محترم خاتون کے ذکر کے بعد سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور امیر المومنین حضرت علیؓ کے سوانح اور شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ ماحول جس میں حضرت امام حسنؓ نے پرورش پائی کیسا تھا اور جس خانوادے سے ان کا

تعلق تھا اس کے افراد کس مرتبے کے مالک تھے۔

اُردو زبان میں حضرت امام حسنؓ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں آپؓ کے سوانح اور سیرت و کردار کے متعلق بہت ناکافی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس حیثیت سے بھی کتاب کو زیادہ سے زیادہ جامع بنایا جائے۔ اس کتاب میں ایک باب معاویہؓ بن ابوسفیان اور دوسرا امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی کشمکش کے پس منظر سے متعلق بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان دونوں ابواب کو شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام ان اسباب و عوامل سے آگاہ ہو سکیں جنہوں نے امت میں نفاق و انتشار کی وہ وسیع و عریض خلیج حائل کر دی جس نے مسلمانوں کو کبھی ختم نہ ہونے والی خوں ریزی میں مبتلا کر دیا اور جس کے نتیجے میں نظام خلافت کا وہ تصور پاش پاش ہو گیا جسے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے پیش کیا تھا اور جسے حضرت علیؓ مثالی حیثیت دینا چاہتے تھے اور پھر اسی اختلاف نے حضرت امام حسنؓ جیسے قدسی نفس کو مجبور کر دیا کہ وہ ملوکیت کیلئے راستہ صاف کر دیں۔

ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میرا کام کتنا مشکل تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ قارئین کرام اس کتاب کے مندرجات کے کتنے حصے سے اختلاف کریں گے اور کن حصوں سے اتفاق کریں گے۔ مجھے اس کا بھی پیش از وقت یقین ہے کہ میں بہت سے لوگوں کے عتاب کا

فشا نہ ہوں گا۔ خصوصاً وہ لوگ جو مسلّمات کے خلاف خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں ایک لفظ سننا پسند نہیں کرتے اس کتاب کے بعض مندرجات پر بہت جزبز ہوں گے۔ مجھے ان کی خفگی گوارا ہے مگر یہ گوارا نہیں کہ حقائق کو چھپاؤں۔ جو بات مجھے درست معلوم ہوئی ہیں نے بے کم و کاست بیان کردی۔ میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اخلاص اور دیانت داری سے لکھا ہے۔ پوری تلاش و تحقیق اور غور و فکر کے بعد لکھا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ غیر جانبدار ہو کر لکھا ہے۔ میرا مقصد نہ کسی کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور نہ جان بوجھ کر دل آزاری کرنا کہ تاریخ نویس کا منصب ان باتوں سے بہت بالا ہے۔

آخر میں میں اپنے دیرینہ کرم فرما حکیم حبیب اشعرؔ صاحب دہلوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ موصوف نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر آمادہ کیا ورنہ میں تو اس راہ کی دشواریوں کی وجہ سے ہمت ہار بیٹھا تھا۔

پیام شاہجہان پوری

لاہور ۱۰ نومبر ۱۹۶۲ء

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	فاطمہؓ بنت محمدؐ	
	ص۴۱ تا ص۵۲	
۱۱	ولادت اور بچپن	۴۲
۱۲	شادی	۴۳
۱۳	حضورؐ کے وصال کا غم	۴۷
۱۴	حضرت فاطمہؓ کی وفات	۵۰
۱۵	اخلاق و عادات	۵۰
۱۶	اولاد	۵۲
	علیؓ بن ابی طالبؓ	
	ص۵۵ تا ص۷۶	
۱۷	ابتدائی حالات	۵۷
۱۸	پرورش اور قبول اسلام	۵۹
۱۹	نصرتِ اسلام	۶۰
۲۰	جاں نثاری	۶۳
۲۱	تفویضِ منصب	۶۴
۲۲	وصالِ نبویؐ کے بعد	۶۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حسنؓ اور معاویہؓ کی کشمکش کا پس منظر	
	ص ۱۲۷ تا ص ۱۶۸	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	معاویہؓ بن ابوسفیان	
	ص ۱۷۱ تا ص ۱۹۶	

خدیجہؓ بنتِ خویلد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدیجہؓ بنت خویلد

رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ مکہ کا باعظمت اور تاریخی شہر نیند کی دبیز چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ ہر طرف تاریکی کا سکہ رواں تھا۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سورج کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اسی دبیز تاریکی میں ایک خاتون سورج اور اس کی خیرہ کن آب و تاب کا نظارہ کر رہی تھیں۔ یہ قریشِ مکہ کی ایک ذی عزت خاتون خدیجہؓ تھیں، وہ ایک خواب دیکھ رہی تھیں، خواب یہ تھا کہ آسمان سے سورج اتر کر ان کے مکان میں آگیا ہے اور اس کی کرنوں سے سارے مکہ کے در و دیوار جگمگا اٹھے ہیں۔

یہ ایسا ہیبت ناک نظارہ تھا کہ ان کی آنکھ کھل گئی اور صبح تک وہ اسی طرح کروٹیں بدلتی رہیں جب کچھ روشنی نمودار ہوئی تو وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور انہیں اپنا خواب سنایا۔ ورقہ علم تعبیر کے بہت بڑے ماہر، نہایت پاکباز اور اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم

تھے۔ انہوں نے خدیجہؓ کا خواب سن کر کہا کہ یہ نہایت مبارک خواب ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ جلد ہی ایک ایسے شخص سے تمہاری شادی ہو گی جو منصبِ نبوت پر سرفراز کیا جائے گا اور اس کا نور سارے عرب کو جگمگا دے گا

یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب سرزمین عرب پر اسلام کا آفتابِ عالم تاب طلوع نہیں ہوا تھا، ہر طرف جہل کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ اخلاقی اقدار بری طرح پامال کی جا رہی تھیں۔ دیانت و امانت، عدل و احسان اور لطف و کرم کے صفات سے اہل عرب کی اکثریت تہی دامن ہو چکی تھی۔ لیکن اس گئے گزرے زمانے میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آجاتے تھے جن کی راست بازی، نیک نفسی اور کرم گستری کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ قریش کی کریم النفس خاتون خدیجہؓ ایسے ہی لوگوں میں سے تھیں جو اس تاریکی کے عالم میں اپنے اخلاقِ فاضلہ کا چراغ روشن کئے ہوئے تھیں۔

والدین

خدیجہؓ قریش کے نامور اور بہت معزز قبیلہ بنی عبدالعزیٰ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد کا نام خویلد تھا، یہ مکہ کے امیر ترین اور ممتاز فرد تھے اور دولت امارت کے ساتھ ساتھ شرافتِ نفس، عقل و فہم اور حسن و احسان کی صفاتِ عالیہ کا پیکر تھے۔ ان کی انہی صفات کی وجہ

سے اہلِ مکہ پر ان کا بڑا اثر تھا اور قریش ان کے سامنے سرِ اطاعت خم کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کی والدہ کا نام فاطمہؓ بنت زائدہ تھا وہ نہایت حسین و جمیل ہنس مکھ اور عالی ظرف خاتون تھیں، اپنی سخاوت اور اہلِ احتیاج کے ساتھ حسنِ سلوک کے اعتبار سے مکہ بھر میں مشہور تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کو اپنے والدین کی تمام صفات عالیہ ورثہ میں ملی تھیں۔ وہ شیریں کلامی، مروّت، ہمدردی، تدبر و فراست اور وسیع النظری کے لحاظ سے عرب کی معدودے چند خواتین میں سے تھیں، ان کی انہیں صفات کی وجہ سے والدین کو ان کے رشتہ کے معاملے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اس زمانے میں ان کے پائے کے لوگ عرب میں کم تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل ہر لحاظ سے ان کے لئے موزوں تھے مگر مشکل یہ آ پڑی تھی کہ ان کے والد یہ چاہتے تھے کہ جس شخص سے حضرت خدیجہؓ کی شادی کی جائے وہ دولت و امارت کے لحاظ سے بھی ان کی ٹکر کا ہو لیکن بدقسمتی سے ورقہ کا دامن سیم و زر سے خالی تھا اس لئے وہ حضرت خدیجہؓ کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

پہلی شادی

آخرکار قرعۂ فال ابوہالہ بن نباش تمیمی کے نام نکلا جو اخلاقِ عالیہ اور حسب و نسب کے ساتھ ساتھ سخاوت و فیاضی کے اعتبار سے بھی بڑے نامور تھے، چنانچہ خویلد نے ابوہالہ سے حضرت خدیجہؓ کا نکاح کر دیا۔

ابوہالہ سے حضرت خدیجہؓ کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلے کا نام ہالہ اور دوسرے کا نام ہندہ تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عین عالمِ شباب میں ابوہالہ کا انتقال ہوگیا اور حضرت خدیجہؓ پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اپنے نیک نفس اور محبوب شوہر کی وفات کا حضرت خدیجہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ عرصہ تک انہوں نے دوسری شادی کا خیال تک نہ کیا حالانکہ اس دوران میں عرب کے بڑے بڑے معزز اور بااثر لوگوں نے ان کی خدمت میں نکاح کے پیغام بھیجے مگر وہ ہر بار انکار کرتی رہیں لیکن آخرکار اپنے والد کے مسلسل اصرار پر دوسرا نکاح کرنے پر آمادہ ہوگئیں۔

دوسری شادی

ان کی دوسری شادی قریش کے ایک شریف اور دولت مند شخص

---

[1] استیعاب جلد دوم ص ۳۷۸

عتیق بن عابد مخزومی سے ہوئی۔ ان سے حضرت خدیجہؓ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی مگر جلد ہی عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ کو دوسری بار بیوگی کا جانکاہ صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ اسی دوران میں ان کے والد خویلد کا بھی انتقال ہو گیا وہ عرب کی مشہور ترین جنگ "حرب الفجار" میں حصہ لینے کے لئے نکلے تھے کہ میدان جنگ میں کام آئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم ص۹)

کاروبار تجارت

حضرت خدیجہؓ کے لئے یہ تیسرا جگر فراش صدمہ تھا جوان کی کمر ہمت توڑ دینے کے لئے کافی تھا مگر انہوں نے بڑے حوصلہ سے کام لیا اور اپنا غم غلط کرنے کے لئے کاروبار تجارت میں مشغول ہو گئیں۔ ان کے والد مکہ کے بہت بڑے تاجر تھے اور بہت بڑا کاروبار چھوڑ گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے مکہ کے بعض تاجروں کے ساتھ بات چیت کر کے انہیں نفع میں حصہ دار بنایا اور ان کے ذریعہ سے اپنا مال تجارت ممالک غیر کو بھیجنا شروع کر دیا۔ وہ بڑی معاملہ فہم اور ذہین خاتون تھیں، چنانچہ جب انہوں نے اپنے والد کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لیا تو اپنی معاملہ فہمی اور ذہانت کی وجہ سے اس میں غیر معمولی ترقی کی اور جلد ہی ان کا شمار رؤسائے عرب میں ہونے لگا۔

ایک بار ان کا تجارتی مال ایک قافلے کے ساتھ شام کو جانے والا تھا۔

کہ مکہ کے ایک بڑے سردار ابو طالب کو اس کی خبر ہوئی۔ انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مشورہ دیا کہ میرے خیال میں اس بار تم خدیجہؓ کا مال لے کر شام جاؤ۔ ابھی ابو طالب کے بھتیجے نے اس بارے میں حضرت خدیجہؓ سے سلسلہ جنبانی نہیں کی تھی کہ حضرت خدیجہؓ کو ابو طالب اور ان کے بھتیجے کے مابین ہونے والی گفتگو کا علم ہو گیا۔ وہ پہلے ہی سن چکی تھیں کہ خاندان عبدالمطلب میں ایک ایسا فرزند پیدا ہوا ہے جو اپنی امانت و دیانت، راست گوئی، پرہیزگاری اور شرافتِ نفس میں اپنا جواب نہیں رکھتا، چنانچہ انہوں نے فوراً ابو طالب کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے بھتیجے سے کہو کہ وہ میرا مال بغرض تجارت شام لے جائے میں اُسے دوسروں سے دوگنا معاوضہ دوں گی۔ رسول اللہؐ نے حضرت خدیجہؓ کی یہ پیش کش قبول فرمالی اور سفر پر روانہ ہو گئے، حضورؐ کا یہ سفر بڑا بابرکت ثابت ہوا یعنی جب آپ حضرت خدیجہؓ کا سامانِ تجارت فروخت کر کے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ اس بار سالہائے گزشتہ کے مقابلہ میں دوگنا منافع ہوا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

رسول اللہؐ سے نکاح

اس تجارتی سفر میں حضرت خدیجہؓ کا ایک غلام میسرہ بھی حضورؐ کے ہمراہ

تھا جسے حضرت خدیجہؓ نے اس لئے حضورؐ کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ راستے میں آپؐ کے آرام کا خیال رکھے۔ اس غلام نے جہاں حضرت خدیجہؓ کو سفر کے حالات سنائے وہاں حضورؐ کی پاکیزگیٔ اخلاق، عالی ہمتی اور حسنِ معاملت کے وہ واقعات بھی بیان کئے جن کا اس نے سفر میں مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ جو پہلے ہی حضورؐ کی پاکیزہ سیرت کا شہرہ سن چکی تھیں، اپنے غلام سے اس کے چشم دید واقعات سن کر اور بھی متاثر ہوئیں۔

جب سے حضرت خدیجہؓ کے دوسرے شوہر کا انتقال ہوا تھا اس کے بعد سے برابر ان کے پاس نکاح کے پیغام آرہے تھے، یہ پیغام معمولی لوگوں کے نہ تھے، پیغام دینے والوں میں قریش کے معزز اور دولت مند لوگ شامل تھے لیکن حضرت خدیجہؓ پے در پے صدمات کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھیں اس لئے انہوں نے یہ سارے پیغامات ٹھکرا دیئے..... مگر جب انہیں رسول اللہؐ کے قالب میں ملکوتی روح نظر آئی تو انہوں نے حضورؐ سے نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ سے اس کا ذکر کیا۔ نفیسہ فوراً رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوئیں اور حضرت خدیجہؓ کے رشتے کے متعلق عرض کیا حضورؐ رضا مند ہو گئے، نکاح کی تاریخ مقرر کر دی گئی اور تاریخ مقررہ پر حضورؐ اپنے چچا ابوطالب اور خاندان کے چند معززین کو لے کر حضرت خدیجہؓ کے مکان پر

تشریف لے گئے، حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کی طرف سے ولی کے فرائض انجام دیئے۔ ابوطالبؓ نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچسو طلائی درہم مہر پر حضرت خدیجہؓ رسول اللہ کی زوجیت سے مشرف ہو گئیں۔ نکاح کے وقت حضورؐ کی عمر پچیسؓ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ اس واقعہ کے پندرہؓ سال بعد حضورؐ منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔

(سلہ اصابہ جلد ہشتم صلا)

نکاح کے بعد رسول اللہ حضرت خدیجہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے اس طرح حضرت خدیجہؓ کا وہ خواب ظاہری طور پر بھی پورا ہو گیا جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ چمکتا ہوا سورج ان کے مکان میں اتر آیا ہے۔

رسول اللہ کی خدمت

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے قبل رسول اللہ کی زندگی عسرت و تنگدستی میں گزرتی تھی، ابوطالب آپ کے سرپرست تھے، لیکن کثیر العیال ہونے کی وجہ سے مالی طور پر پریشان رہتے تھے، ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ اپنے بھتیجے کے لئے آرام و آسائش کے سامان کس طرح مہیا کر سکتے تھے۔ ادھر حضورؐ کو بھی پرآسائش زندگی سے نفرت تھی اور کسبِ معاش میں اپنے شفیق چچا کا ہاتھ بٹانے کے بعد جو وقت

بچتا تھا اسے یادِ الٰہی میں صرف کرتے تھے، مگر معاش کی طرف سے جو اطمینان ہونا چاہیئے وہ نہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد یہ پریشانی بھی دور ہو گئی اور آپ نے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اس کارخانۂ قدرت اور اس کے صانعِ حقیقی کی ہستی پر غور و خوض شروع کر دیا، حضرت خدیجہؓ اپنے شوہر کی خلوت پسندی سے ذرا نہ گھبرائیں اور نہ کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، جب حضورؐ عبادت و ریاضت کی غرض سے شہر سے باہر تشریف لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ ان کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرتیں اور ضروریات کی ساری چیزیں مہیا کر کے ان کے ساتھ کر دیتیں، جب حضورؐ واپس آتے تو بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتیں اور گھر میں ہر طرح سے انہیں آرام پہنچاتیں، بعض دفعہ جب کئی کئی روز گزر جاتے اور حضورؐ واپس تشریف نہ لاتے تو حضرت خدیجہؓ ان کو تلاش کرنے کے لئے خود نکلتیں کبھی کبھی کھانا تیار کر کے وہ خود غارِ حرا میں لے جاتیں، جہاں حضورؐ عبادت کیا کرتے تھے، باوجودیکہ اس غار تک پہنچنے کا راستہ بڑا دشوار گذار تھا اور عام مرد بھی وہاں تک پہنچنے میں دقت محسوس کرتے تھے، مگر حضرت خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ محبت تھی اس میں راستے کی یہ دشواریاں قطعاً حائل نہ ہو سکیں۔

قبولِ اسلام

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کئے ہوئے حضورؐ کو پندرہ سال ہوئے تھے کہ جبل حرا کے غار میں آپ کو نبوت کی بشارت دی گئی جب آپ نے حضرت خدیجہ کے سامنے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے بے چون وچرا حضورؐ کے دعوے کی تصدیق کردی، حضرت امام بخاریؒ حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا آغاز اس طرح ہوا کہ کچھ عرصہ تک آپ رویائے صالحہ دیکھتے رہے۔ ان رویا میں آپ کو جو کچھ دکھایا جاتا تھا وہ سپیدۂ سحری کی طرح ظاہر ہوجاتا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ نے خلوت نشینی اختیار کرلی۔ سامان خورد ونوش لے کر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور عبادت وریاضت میں مشغول ہوجاتے حتیٰ کہ ایک روز فرشتہ آیا اور اس نے مخاطب کرکے آپؐ کو کہا پڑھیے، آپؐ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا، حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے بڑے زور سے دبا کر چھوڑ دیا اس کے بعد کہا کہ پڑھیے۔ میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس دفعہ اس نے مجھے زور سے دوبارہ دبایا اور چھوڑ کر کہا کہ پڑھیے، اب بھی میں نے یہی کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، اسی طرح اس نے تین مرتبہ کیا اور

تیسری بار دبانے کے بعد کہا کہ پڑھیئے، اُس خدا کے نام کے ساتھ جس نے کائنات کو تخلیق کیا۔ اس نے گوشت کے ایک لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا، پڑھیئے آپ کا خدا بے حد کرم کرنے والا ہے (غار حرا سے نکل کر جب) آپ گھر تشریف لائے تو ہیبت طاری تھی، آپ نے آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ "مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو" چنانچہ فوراً چادر اوڑھا دی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ کیفیت ختم ہو گئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے، حضرت خدیجہؓ نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا آپ فکرمند نہ ہوں اللہ تعالیٰ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں، غربا اور مساکین کی امداد کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور ناخوشگوار حالات میں بھی حق کی حمایت سے دست کش نہیں ہوتے۔ (بخاری جلد اوّل باب الوحی)

اِس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو نہایت متقی اور انجیل کے بہت بڑے عالم تھے، انہوں نے ساری روداد سن کر بشارت دی کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جو فرشتہ آیا تھا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی لایا تھا، ورقہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوں گے

اور اُن کی قوم اُنہیں اس شہر سے نکال دے گی مگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ان کی مدد کروں گا۔

حضرت خدیجہؓ تو پہلے ہی رسول اللہ کی تصدیق کر چکی تھیں۔ ورقہ کے اس بیان کے بعد ان کا یقین اور پختہ ہو گیا اور انہوں نے کارِ نبوت میں نہایت استقلال سے حضور کی اعانت شروع کر دی۔ وہ رسول اللہ کے ساتھ مل کر نماز پڑھتیں اور عرصہ تک دنیا میں صرف یہی دو مومن اللہ تعالیٰ کے حضور رکوع و سجود کرتے رہے مگر یہ نفل نماز تھی کیونکہ ابھی نماز فرض نہیں ہوئی تھی، پھر ایک روز حضورؐ کے پاس اللہ تعالےٰ کا فرشتہ آیا اور اس نے آپؐ کو وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا معروف طریقہ بتایا، آپؐ نے یہ طریقہ حضرت خدیجہؓ کو سکھایا اور پھر دونوں نماز ادا کرنے لگے۔

حضرت خدیجہؓ کا ثبات و استقلال

رسول اللہ کی بعثت کے ساتھ ہی آپؐ پر اور آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے لگے، ہر طرف سے مخالفتوں کے سمندر امنڈ آئے، غیر تو غیر تھے رسول اللہ اور حضرت خدیجہؓ کے اعزہ و اقربا بھی درپے آزار ہو گئے مگر حضرت خدیجہؓ نے ہر موقع پر ثبات و استقلال کا

حیرت انگیز نمونہ دکھایا۔ وہ ہر موقع پر رسول اللہ کی معاون و مددگار اور ہمدرد و غمخوار ثابت ہوئیں، تاریخ میں آتا ہے کہ :-

"رسول اللہ کو مشرکوں کی تکذیب سے جو رنج ہوتا تھا حضرت خدیجہؓ اسے زائل کر دیتی تھیں، وہ حضورؐ کی ہر بات کی تائید کرتیں اور کفار کی مخالفت کو آپؐ کے سامنے بے وزن بنا کر پیش کرتی تھیں۔ (طبقات جلد دوم ص۱۴)

حضرت خدیجہؓ مکہ کی بڑی ذی اثر خاتون تھیں اور ان کا قبیلہ مکہ کے چند بڑے اور طاقتور قبیلوں میں سے تھا۔ اس لئے کفار رسول اللہ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے تھے۔ پس اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ نے صرف زبانی ہی رسول اللہ کی تصدیق اور اعانت نہیں کی بلکہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر بھی حضورؐ کو قریش مکہ کی اذیت سے محفوظ رکھا، پھر انہوں نے اپنے مال سے بھی حضورؐ کے مشن کی نشر و اشاعت میں بڑی امداد کی اور روپے کو پانی کی طرح بہایا۔ بعثت نبوی کے ساتویں سال جب قریش مکہ نے رسول اللہ آپ کے متبعین اور بنو ہاشم کا اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ کر دیا اور آپ شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کر دیئے گئے تو اس موقع پر بھی حضرت خدیجہؓ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ وہ نہ صرف یہ کہ حضورؐ کے ساتھ گھاٹی میں محصور ہو گئیں،

بلکہ اپنے بچے کچھے سرمایہ سے جس قدر اشیائے خورد و نوش خریدی جاسکتی تھیں وہ خرید کر ساتھ لے گئیں اور عرصۂ دراز تک حضورؐ اور آپ کے ساتھ محصورین کے لئے قوتِ لایموت مہیا کرتی رہیں لیکن جب سامان خوراک ختم ہوگیا اور محصورین نے فاقے کرنا شروع کئے تو حضرت خدیجہؓ بھی اس فاقہ کشی میں برابر کی شریک رہیں ۔

وفات

جب محاصرہ کی میعاد نے طول کھینچا اور فاقوں سے مارے ہوئے بچوں کی صداؤں سے مکہ کی پہاڑیاں گونجنے لگیں تو مکہ کے چند شریف اور رحم دل لوگوں کو ترس آیا، ان رحمدل اور ترس کھانے والے لوگوں میں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام پیش پیش تھے، یہ اور حضرت خدیجہؓ کے خاندان کے بعض اور لوگ بھی قریش سے چھپا کر غلہ اور خورد و نوش کی دوسری اشیاء محصورین کو بھیجتے رہتے تھے، آخر ان ہی لوگوں کی کوششوں سے یہ مقاطعہ ختم ہوگیا اور مسلمان پھر اپنے گھروں میں آباد ہوگئے مگر اس دوران میں حضرت خدیجہؓ کو جو مصائب پیش آئے ۔ وہ بڑے اذیت ناک تھے بھوک پیاس کی تکلیفوں نے ان کے جسم کو کمزور کر دیا تھا، ان کی عمر بھی پینسٹھ سال کے قریب ہوچکی تھی۔ اس ضعیفی کے زمانے میں یہ مصائب اور بھی

ناقابلِ برداشت تھے، چنانچہ مصائب و آلام نے انہیں بے حد لاغر اور بیمار کر دیا اور محاصرہ ختم ہونے کے بعد کچھ عرصہ زندہ رہ کر انتقال کر گئیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کی وفات ہجرت سے تین سال قبل گیارہ رمضان کو ہوئی۔ نعش کو قبر میں اتارنے سے پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود قبر میں اترے۔

حضرت خدیجہ کی وفات حضورؐ کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا جسے آپؐ ساری عمر محسوس کرتے رہے، جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے حضورؐ کو اولاد عطا فرمائی، باوجودیکہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضورؐ نے متعدد عورتوں سے شادیاں کیں جن میں بیوہ بھی تھیں اور کنواری بھی۔ ان میں عرب کی حسین و جمیل عورتیں بھی تھیں اور عقیل و فہیم بھی، وہ حضورؐ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور آپ کو آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑتیں مگر سچ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت خدیجہؓ کی جگہ نہ لے سکی، حضرت خدیجہؓ آخر تک حضورؐ کی شخصیت پر چھائی رہیں، اکثر آپ انہیں یاد کر کے آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے، وہ دنیا میں سب سے پہلی ہستی تھیں جنہوں نے رسول اللہ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائیں، جب رسول اللہؐ سے ان کی شادی ہوئی تو وہ مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں مگر جب ان کا انتقال ہوا تو مکہ میں شاید

ہی کوئی ان سے زیادہ غریب ہو۔ یہ ساری دولت انہوں نے رسول اللہؐ اور اسلام پر نثار کر دی، اسلام اور رسولؐ پر جس قدر احسانات حضرت خدیجہؓ کے ہیں اتنے سوائے ابوطالب کے اور کسی کے نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضورؐ اپنے دل سے ان کا خیال آخر تک جدا نہ کر سکے، خود اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی حضرت خدیجہؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت خدیجہؓ حضورؐ کے لئے برتن میں کوئی چیز لے کر آ رہی تھیں کہ جبرائیل آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ

"خدیجہؓ آپؐ کے لئے برتن میں کچھ لا رہی ہیں
آپؐ انہیں خدا تعالیٰ کا اور میرا اسلام کہہ دیجئے"

(بخاری جلد اوّل ص ۵۳۹)

اسی طرح ایک روز حضرت جبرائیل نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ——— "خدیجہؓ کو بشارت دیجئے کہ انہیں جنت میں ایسا گھر ملے گا جو موتی کا بنا ہوگا اور وہاں نہ محنت کرنی پڑے گی اور نہ شور و غل کو دخل ہوگا۔" (بخاری کتاب تزویج النبیؐ)

رسول اللہ کو حضرت خدیجہؓ سے اس قدر محبت تھی اور وہ اس کثرت سے ان کا ذکر فرماتے رہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے ان پر رشک آنے لگا، ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی

ہیں کہ رسول اللہ کی بیویوں میں خدیجہؓ کے سوا مجھے اور کسی پر رشک نہیں آیا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کا ذکر فرما رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ درمیان میں بول اٹھیں "آپؐ ہر وقت خدیجہؓ کو یاد کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ بوڑھی تھیں خدا تعالیٰ نے آپؐ کو ان سے اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں" رسول اللہؐ عائشہؓ کے یہ الفاظ برداشت نہ کر سکے اور بڑے رنج کے لہجے میں فرمایا کہ "عائشہؓ ایسا نہ کہو جب میری ساری قوم مجھے جھٹلا رہی تھی اس وقت صرف خدیجہؓ تھی جس نے میری تصدیق کی جس وقت لوگ میری بات سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے اور کوئی ایک درہم دینے والا نہ تھا اس وقت اس نے اپنا سارا مال میرے قدموں میں لا ڈالا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بطن سے مجھے اولاد کی نعمت سے نوازا۔

اولاد

اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھ اولادیں عطا فرمائیں۔

(۱) حضرت قاسمؓ (۲) حضرت زینبؓ (۳) حضرت عبداللہؓ
(۴) حضرت رقیہؓ (۵) حضرت ام کلثومؓ (۶) حضرت فاطمہؓ

(زرقانی جلد سوم صہ ۲۲۱)

ان میں سے حضرت قاسمؑ اور حضرت عبداللہ کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہیں ہماری کتاب کی مرکزی شخصیت (حضرت امام حسنؑ) کی مادرِ گرامی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

فاطمہ رضؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فاطمہؓ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بیت اللہ میں قریش مکہ کے بے فکرے جمع تھے، ہر طرف سے قہقہے بلند ہو رہے تھے، تمسخر آمیز آوازے کسے جا رہے تھے، ان قہقہوں کا نشانہ عرب کا وہ امیؐ پیغمبر تھا جو لوگوں سے کہتا تھا کہ بے جان بتوں کی پرستش چھوڑ کر قادرِ مطلق خدا کی عبادت کرو، اس وقت وہ خانہ کعبہ کے ایک کونے میں ساری دنیا سے منہ موڑے اور ہر قسم کے تمسخر سے بے نیاز اپنے مولا کے حضور قیام و سجود میں مصروف تھے، ابھی سجدے ہی میں تھے کہ ایک بدبخت (عقبہ بن ابی معیط) نے آگے بڑھ کر اونٹ کی اوجھڑی اُن کی پیٹھ پر ڈال دی، ہر طرف سے قہقہوں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا اور لوگ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگے، اتنے میں چھ سات سال کی ایک بچی دوڑتی ہوئی آئی اور رسولؐ عربی کی پشتِ مبارک سے اوجھ ہٹا کر ایک طرف پھینکا اور عقبہ کو بڑی سختی سے ڈانٹنے لگی۔" (لہ بخاری جلد اوّل ص ۳۹)

ولادت اور بچپن

اس بچی کا نام فاطمہؓ تھا۔ فاطمہؓ جو رسولؐ اللہ کی سب سے چھوٹی بیٹی اور حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ رسولؐ اللہ کو بے حد محبوب تھیں۔ وہ ۵ نبوی میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے نہایت سنجیدہ، بڑی شائستہ اور صاحبِ جرأت تھیں، سطور بالا میں ان کے بچپن کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ان کی فطری دلیری اور غیر معمولی شجاعت پر دلالت کرتا ہے۔ چھ سات سال کی عمر میں تن تنہا مکہ کے شہرہ لپشت اور سرکش لوگوں کے مجمع میں آکر اپنے والد گرامی کو اونٹ کے اوجھ سے آزاد کرنا اور اکابر قریش کو سخت سست کہنا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔

حضرت فاطمہؓ تاریخ اسلام کے ان چند خوش قسمت نفوس میں سے تھیں کہ دنیا کی دو عظیم ترین ہستیوں نے جن کی پرورش اور تعلیم و تربیت فرمائی انہوں نے رسولؐ اللہ اور حضرت خدیجہؓ کے زیر نگرانی تربیت اخلاق کے تمام مراحل طے کئے، حضرت فاطمہؓ نے ہوش سنبھالا تو حضرت خدیجہؓ بوڑھی ہو چکی تھیں، یہ حضرت فاطمہؓ ہی تھیں جنہوں نے سن رسیدہ والدہ کا گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا بلکہ قریب قریب انہیں اس بار سے سبکدوش کر دیا، وہ امور خانہ داری اور رسولؐ اللہ کی خدمت میں اس قدر مشقت

برداشت کرتی تھیں کہ حضورؐ نے انہیں اتنی زیادہ محنت کرنے سے منع کر دیا کہ کہیں صحت خراب نہ ہو جائے۔ (ز۱ کتاب الاغانی جلد ۱۱ ص ۱۶۴)

شادی

جب حضرت فاطمہؓ کی عمر تقریباً ساڑھے پندرہ سال کی ہوئی تو رسول اللہؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ذی الحجہ ۲ھ میں چار سو درہم مہر پران کی شادی کر دی۔ شادی کی تقریب میں آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو مدعو کیا اور ان کے سامنے مندرجہ ذیل خطبۂ نکاح پڑھا۔

"اللہ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے تعریف کے قابل ہے اور اپنی قدرتوں کی وجہ سے عبادت کے لائق ہے، اس کا اقتدار ہر جگہ قائم ہے، اس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے بنایا، اپنے احکام کے ذریعہ سے انہیں آپس میں علیحدہ علیحدہ کیا، انہیں اپنے دین کے ذریعہ عزت بخشی اور اپنے نبی کے ذریعہ سے سربلند کیا، بیشک اللہ تعالیٰ نے شادی بیاہ کو ایک لازم امر قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

وھو الذی خلق من السماء بشراً فجعلہ

نسباً وصہراً وکان ربک قدیراً۔

(وہی ذات پاک ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور بعض کو بعض کی بیٹی بیٹا اور داماد بنایا اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے ۔)

اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کو کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ قضا و قدر کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر ہی پوری ہوتی ہے۔

میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے چار سو مثقال مہر کے عوض کر دیا ہے۔ (الزہراء ص۵۸ عمر ابو النصر ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی)

خطبہ نکاح کے بعد کھجوروں سے حاضرین کی تواضع کی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد حضرت فاطمہؓ اپنے والد گرامی سے رخصت ہو کر حضرت علیؓ کے گھر چلی گئیں ۔ ام ایمن ان کے ساتھ گئیں تاکہ نئے گھر میں ان کا دل نہ گھبرائے عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ حضرت فاطمہؓ سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے اور اندر داخل ہونے سے پہلے اذن طلب کیا۔ گھر میں جا کر آپ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے لئے دعا کی، جب حضور واپس آنے لگے تو حضرت فاطمہؓ جوش محبت اور آپؐ سے جدائی کا خیال کر کے رو پڑیں۔ اس وقت حضورؐ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان کے افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔

آں حضرتؐ نے اپنی اس چہیتی بیٹی کو جہیز کے طور پر جو اشیاء عطا فرمائیں

ان کی تفصیل یہ ہے ۔ چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے ، مٹی کے دو گھڑے ، ایک چھاگل ، دو چکیاں ، ایک مشک اور ایک چارپائی اور وہ تین کپڑے جو آپ کے جسم پر تھے، اس کے علاوہ زیور یا برتن اور کپڑے کی قسم کی کوئی چیز نہیں دی گئی۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو جو کچھ نذر کیا وہ ایک پرانی چادر اور بھیڑ کی ایک کھال تھی۔ حضرت فاطمہؓ اس بزرگ ترہستی کی صاحبزادی تھیں جس کی زندگی فقر و فاقہ میں گذری اور جس نے اپنے گھر کے کام کاج کے لئے کبھی لونڈی غلام نہیں رکھے ، اس لئے وہ ابتدا ہی سے محنت و مشقت کی عادی تھیں ان کی شادی بھی ایک ایسی ہستی سے ہوئی جس کا دامن ہر قسم کی دولت سے بھرا ہوا تھا مگر سیم وزر سے خالی تھا۔ اس لئے حضرت فاطمہؓ نے ساری عمر افلاس و تنگدستی میں زندگی گذاری مگر کبھی حرفِ شکوہ زبان پر نہ لائیں۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی خدمت کرنے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی ، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ بھی ان پر جان چھڑکتے تھے اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں حضرت علیؓ نے دوسری[۱] شادی کا

---

[۱] بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کا دامن داغدار کرنے کے لئے ایک روایت مشہور کر دی ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ابوجہل کی بیٹی سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خیال تک نہ کیا۔ غرض دونوں کی خانگی زندگی بڑی خوشگوار اور پرسکون ماحول میں بسر ہو رہی تھی کہ اچانک اس پرسکون ماحول میں طوفان عظیم برپا ہو گیا۔ ہماری مراد رسول اللہ کے وصال سے ہے۔ جب حضورؐ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت فاطمہؓ کا بیشتر وقت حضورؐ کی خدمت میں بسر ہونے لگا۔

وفات سے ایک روز پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اپنے گھر سے رسول اللہ کی تیمارداری کرنے کے لئے روانہ ہونے والی تھیں کہ حضورؐ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ آپؓ فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، حضورؐ نے دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا "آؤ فاطمہؓ" پھر انہیں اپنے دائیں طرف بٹھا لیا اور کان میں چپکے چپکے کچھ باتیں کیں جنہیں سن کر حضرت فاطمہؓ رونے لگیں، پھر کچھ باتیں کیں جنہیں سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ وصال کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ) شادی کرنی چاہی تھی مگر جب اس روایت کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتہائی کمزور اور جھوٹی روایت ہے، اسے قبول کر لینے کی صورت میں نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر بھی حرف آتا ہے، چونکہ یہ کتاب حضرت امام حسنؓ پر لکھی گئی ہے اور حضرت فاطمہؓ کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے اس لئے اس روایت پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، انشاء اللہ ہم آئندہ اپنی کسی کتاب میں اس پر سیر حاصل گفتگو کریں گے (مصنف)

فاطمہؓ سے پہلے رونے اور پھر ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بیان کیا پہلے تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں اسی مرض میں فوت ہو جاؤں گا یہ سن کر میں رونے لگی، پھر آپؐ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔ (بخاری جلد دوم ص۶۳۸)

حضورؐ کی وفات کے وقت بھی حضرت فاطمہؓ رسول اللہ کے پاس موجود تھیں اور جب حضورؐ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو آپ کی تکلیف دیکھ کر وہ بے قرار ہو گئیں اور کہنے لگیں "واکرب اباہ، واکرب اباہ" حضورؐ نے فرمایا کہ بیٹی آج کے بعد تیرا باپ بے چین نہیں ہوگا۔ (بخاری جلد دوم ص۶۴۱)

حضورؐ کے وصال کا غم

اس کے بعد ہی آپؐ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے ملاء اعلیٰ میں پہونچ گئی۔ حضرت فاطمہؓ کو رسول اللہ کے وصال کا جو صدمہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے اور کسی میں اتنی قدرت نہیں وہ آپؓ کے غم واندوہ کی کیفیت معلوم کر کے اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر سکے۔ البتہ اس موقع پر انہوں نے جو مرثیے پڑھے ان سے ان کے غم والم کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

تجہیز و تکفین کے دوسرے روز اور ایک روایت کے مطابق اسی روز آپؓ حضورؐ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئیں اور قبر سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر چہرے پر ملی

پھر یہ مرثیہ پڑھا:۔

ماذا علی من شم تربت احمد — تربت رسول اللہ کی مٹی سونگھنے والے
الایشم مدلی الزمان غوالیا — پر لازم ہے کہ وہ ہر خوشبو سے بے نیاز ہوجائے۔

صبت علی مصائب لوانھا — مجھ پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے
صبت علی الایام عدن لیالیا — ہیں وہ ایسے ہیں کہ اگر دنوں پر ٹوٹتے تو وہ راتوں سے بدل جاتے

اسی طرح ایک روز آپ رسول اللہ کے مزار مبارک کے سرہانے کھڑی تھیں اور وفورِ جذبات سے آنکھیں اشک بار تھیں کہ بے ساختہ مندرجہ ذیل اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوگئے۔

اغبر آفاق السماء وکل رت — آسمان کی وسعتوں پر غبار چھا گیا
شمس النہار واظلم العصران — آفتاب کو تہہ کر دیا گیا، دنیا سیاہ
والارض من بعد النبی کیبتہ — پوش ہوگئی، فرقت رسول اللہ میں
اسف علیہ کثیرۃ الاحزان — زمین پر غم و الم اور افسردگی چھا گئی
فلیبلہ شرق البلاد وغربہا — اہل مشرق و اہل مغرب دونوں کو
ولتبکہ مضر وکل یمان — حضورؐ کے سانحہ ارتحال پر اشک
یا خاتم الموسل المبارک صنوہ — باری کرنا چاہیئے اور اہل مصر اور

صلی علیک منزل القرآن — اہل یمن کو آہ و بکا کرنا چاہیئے۔ لسے خاتم النبیینؐ جن پر قرآن نازل ہوا تھا آپ کو خدا تعالیٰ اپنی رحمتوں کی چادر میں ڈھانپے۔

پھر ایک روز حضورؐ کی یاد میں بے قرار ہو کر مندرجہ ذیل اشعار کہے ؎

انا فقدناک فقد الارض وابلها — ہم حضورؐ سے محروم ہو کر یوں ہو گئے
وغاب مذ غبت عنا الوحی والکتب — جیسے زمین سے طراوت کو جدا کر دیا
فلیت قبلک کان الموت صادفنا — جائے جب سے حضورؐ دنیا سے
لما نعیت وحالت دونک الکتب — گئے ہیں وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس وقت حضورؐ کا وصال ہوا اور مٹی نے آپ کو اپنے اندر چھپا لیا کاش اس وقت سے پہلے ہمیں موت آ گئی ہوتی۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضورؐ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر مشہور صحابی حضرت انسؓ بن مالک سے کہا کہ تم نے رسول اللہ پر خاک ڈالنا کیسے گوارا کر لیا۔ (بخاری جلد دوم صہ ۶۴۱)

حضرت فاطمہؓ کی وفات

رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے شب و روز تاریک ہو گئے اور پھر کسی نے ان کے چہرے پر تبسم نہ دیکھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا معمول ہو گیا تھا کہ ہر روز دن میں ایک دو بار حضورؐ کے مزار پرانوار پر جاتیں اور سرہانے کھڑے ہو کر آنسو بہاتیں۔ آخر یہی غم ان کی جان لینے کا باعث ہوا۔ وہ حضورؐ کے وصال کے چھ ماہ بعد تین رمضان ۱۱ھ کو انتقال فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ حضرت اسماءؓ، سلمیٰؓ خادمہ رسولؐ اور صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے مل کر آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ جنازہ باہر لائے۔ حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اخلاق و عادات

حضرت فاطمہؓ بے نظیر اخلاق کی مالک تھیں۔ ان کی عادات بڑی پاکیزہ اور ان کا کردار مثالی تھا۔ وہ دین و دنیا کے بادشاہ کی سب سے زیادہ پیاری صاحبزادی تھیں مگر اس کے باوجود ان میں کسی قسم کے تفاخر کا شائبہ تک نہ تھا۔ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو امت کی دیگر

عورتوں سے ممتاز نہ سمجھا حالانکہ وہ سب سے ممتاز تھیں وہ نہایت درجہ کی صدق گفتار اور صاف گو تھیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ" فاطمہؓ سے زیادہ صاف گو اور کوئی میری نظر سے نہیں گزرا سوائے رسول اللہؐ کے۔"
(استیعاب جلد دوم ص۷۷۲)

ان کے مزاج میں حیا کا بے حد مادہ تھا چنانچہ انہوں نے ایک روز اسما بنت عمیس سے فرمایا کہ لوگ عورتوں کا جنازہ کھلا ہوا لے جاتے ہیں مجھے اس سے بڑی حیا آتی ہے، حضرت اسمٰؓ نے کہا کہ جب میں حبش میں تھی تو میں نے وہاں کی عورتوں کا جنازہ تیار کرنے کا ایک عجیب طریقہ دیکھا تھا، یہ کہہ کر انہوں نے کھجوروں کی کچھ شاخیں منگوائیں اور مکان کی سی شکل بنا کر ان پر پردہ ڈال دیا، حضرت فاطمہؓ کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور انہوں نے وصیت کر دی کہ میرا جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے، چنانچہ حضرت فاطمہؓ تاریخ اسلام کی پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ مذکورہ بالا طریقہ سے اٹھایا گیا۔ (اسد الغابہ جلد پنجم ص۵۲۴)

شجاعت بھی حضرت فاطمہؓ کی سیرت کا نمایاں جوہر تھا۔ وہ تاریخ اسلام کی ان معدودے چند خواتین میں سے ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں جا کر عملی حصہ لیا۔ چنانچہ جنگ احد کا واقعہ ہے کہ کسی نے مشہور کر دیا کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ بیقرار ہو کر گھر سے نکلیں اور حضورؐ کو ڈھونڈنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچ گئیں، معاً حضورؐ پر نظر پڑی دیکھا کہ جسم مبارک

سے خون بہہ رہا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر حضور کی تیمار داری کی حضرت علیؓ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے حضرت فاطمہؓ زخموں کو دھوتیں جب زخم صاف ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے کھجور کی چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھری جس سے خون فوراً بند ہو گیا۔ (صحیح مسلم باب غزوہ احد)

اس کے علاوہ بعض اور جنگوں میں بھی ان کی شمولیت کا ذکر آیا ہے ان جنگوں میں شامل ہو کر انہوں نے پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمات انجام دیں۔ ان کی بے خوفی اور دلیری کا ایک واقعہ اس باب کے آغاز میں بھی درج کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر کس طرح تن تنہا حضورؐ کی پشت مبارک کو اونٹ کے اوجھ سے آزاد کیا اور اوجھ رکھنے والے کو بڑی سختی سے ڈانٹا گویا شجاعت و بسالت اور بے خوفی جو بنی ہاشم کا طرہ امتیاز تھی اس سے حضرت فاطمہؓ نے حصہ وافر پایا تھا۔

اولاد

حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں۔ بعض مورخین نے آپ کی اولادوں کے ناموں میں حضرت محسنؓ اور حضرت رقیہؓ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ دونوں بچے صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ اور حضرت زینبؓ نے غیر معمولی شہرت پائی اور اپنی منفرد حیثیتوں کی وجہ سے تاریخ عالم میں زندۂ جاوید ہو گئے۔

علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب

علیؓ ابن ابی طالب

مکہ کی سادہ مگر تاریخی عمارت "دارالندوہ" کے در و دیوار گرما گرم گفتگو سے گونج رہے تھے۔ آج اس عمارت میں تاریخ عالم کا سب سے زیادہ ناپاک اجتماع منعقد کیا گیا تھا اس اجتماع کا مقصد یہ تھا کہ عبدالمطلب کے پوتے اور ابو طالب کے اس نامور بھتیجے سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے جس کی تعلیم کا سیلاب سارے مکہ کو اپنی رَو میں بہائے لئے جا رہا ہے اور جس کی موجیں اب مکہ سے نکل کر مضافات کو بھی اپنی آغوش میں لے رہی ہیں۔ اس اجتماع میں قبائل قریش کے تمام بڑے بڑے سردار ابوجہل، ابوسفیان، حارث بن عامر، نضر بن حارث، عتبہ، حکیم بن حزام، ابوالبختری اور امیہ بن خلف وغیرہم شریک تھے۔ ہر سردار اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق تجاویز پیش کر رہا تھا۔ ایک شخص نے رائے دی کہ اس شخص (آں حضورؐ) کو پکڑ کر اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں زنجیریں ڈال دو اور کسی

مکان میں بند کر دو ۔ اس طرح ہم سب اس مصیبت سے نجات پا جائیں گے ۔
ایک دوسرے شخص نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس سے
کچھ فائدہ نہ ہوگا محمدؐ کی گرفتاری کی خبر پوشیدہ نہیں رہے گی اور
مسلمان اسے رہا کرالیں گے ۔ ایک اور شخص نے تجویز پیش کی کہ میرے خیال
میں اس شخص سے چھٹکارا پانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے پکڑ
کر کسی سرکش اونٹ پر بٹھا دیا جائے اور اس اونٹ کو مکہ سے نکال دیا
جائے ۔ اس طرح مکہ اس سے نجات پا جائے گا ۔ ایک جہاں دیدہ سردار
نے اس تجویز کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ محمدؐ کی زبان
میں کس قدر جادو اور اس کی گفتگو میں کتنی حلاوت ہے ۔ یہ جہاں جائے گا
وہاں کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لے گا اور اپنے ان نئے پیروؤں کو ساتھ
لے کر تم پر حملہ کر دے گا ۔ جب یہ دونوں تجویزیں رد کر دی گئیں تو ان میں
سے سب سے بڑے سردار نے جو سب سے زیادہ بد طینت بھی تھا ایک
نہایت خطرناک تجویز پیش کی ۔ اس سردار نے جس کا نام ابوجہل تھا اس نے اپنی تجویز
پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب تک محمدؐ زندہ ہے اس وقت تک ہم
اس مصیبت سے چھٹکارا نہیں پا سکتے لیکن ہم میں سے جس قبیلے کا فرد
اُسے قتل کرے گا بنو ہاشم اسے تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑیں
گے ۔ اس لئے میرے خیال میں مکہ کے ہر قبیلہ میں سے ایک ایک بہادر

شخص کو منتخب کر لیا جائے۔ یہ سب مل کر محمدؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیں اور
جب وہ نماز فجر ادا کرنے کے لئے گھر سے نکلے تو یہ سب یکبارگی اس پر
ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح محمدؐ کے قتل کا الزام کسی ایک قبیلے پر نہیں آئے گا
بلکہ سارے قبیلے اس میں شریک سمجھے جائیں گے اور ظاہر ہے کہ بنوہاشم
سارے قبائل سے جنگ نہیں کر سکیں گے اور نہ محمدؐ کے پیرؤوں کو ان سے
انتقام لینے کی ہمت ہو گی۔

ابوجہل کی اس تجویز پر ہر طرف سے تحسین و آفریں کے ڈونگرے برسنے
لگے اور اس کی یہ تجویز با تفاق رائے سے منظور کر لی گئی پھر ایک مقررہ تاریخ
کو قبائل قریش کے چیدہ چیدہ بہادروں نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر لیا
جب رات کافی بھیگ گئی تو آنحضرتؐ اپنی چارپائی سے اٹھے اور اپنے
گھر کے ایک نوجوان کو ہدایت فرمائی کہ تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر
لیٹ جاؤ۔ نوجوان بلا کسی پس و پیش کے اور یہ سوچے بغیر بستر پر لیٹ گیا
کہ اس بستر پر لیٹنے والا خون میں نہائے بغیر نہ رہے گا۔ یہ وہ نوجوان تھا
جسے تاریخ علیؓ ابن ابی طالب کے نام سے یاد کرتی ہے۔

ابتدائی حالات

حضرت علیؓ بعثت نبوی سے دس سال قبل بنوہاشم کے ایک

نامور سردار ابوطالب کے گھر پیدا ہوئے۔ ابوطالب کہ جن کا نام عبد مناف تھا آنحضرتؐ کے حقیقی چچا تھے اور حضورؐ سے بے نہایت محبت کرتے تھے۔ حضورؐ کی پرورش بھی انہیں ابوطالب نے کی تھی اور آپ کی حمایت میں ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جب تک ابوطالب زندہ رہے آنحضرتؐ کے لئے سپر بنے رہے اور ان کی زندگی میں قریش کے بڑے سے بڑے بہادر کو بھی آپ کے خلاف کوئی ناپاک اقدام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ قریش کے اکابر وفود لے کر انؑ کے پاس آتے اور ان سے درخواست کرتے کہ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکئے مگر ابوطالب انہیں ہر بار جواب صاف دیکر رخصت کر دیتے۔ ایک بار انہوں نے بڑی جرأت سے کام لے کر حضورؐ سے کہہ دیا کہ میرے بھتیجے تم پوری آزادی سے اپنے دین کی تبلیغ کرو۔ کسی کی مجال نہیں کہ تمہارا بال بھی بیکا کر سکے۔ ابوطالب کو حضورؐ کی اس حمایت کی بڑی گراں قیمت بھی ادا کرنی پڑی جب انہیں بنو ہاشم کو ساتھ لے کر پہاڑی کی ایک گھاٹی میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا گیا مگر ان کے پائے ثبات و استقلال میں جنبش تک نہ آئی اور نہ انہوں نے کبھی حضورؐ سے اس قسم کا شکوہ کیا کہ تمہاری وجہ سے ہم پانی کے ایک ایک قطرے اور اناج کے ایک ایک دانے کو ترس رہے ہیں

ہیں بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے ان سارے مصائب و آلام کو برداشت کیا۔

ابوطالب کی طرح حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد بھی رسول اللہؐ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور انہوں نے بھی حضورؐ کی پرورش اپنے جگر گوشوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر کی۔ انہیں بھی اپنے نامور شوہر کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا اور انہوں نے بھی اس راستے کی ہر کلفت کو نہایت استقلال سے برداشت کیا۔

پرورش اور قبول اسلام

حضرت علیؓ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ مکہ میں ایک سخت قحط پڑا، چونکہ ابوطالب نہایت کثیر الاولاد بزرگ تھے پہلے ہی عسرت کی حالت میں زندگی گذار رہے تھے۔ اس قحط کی مصیبت نے آپ کی تنگدستی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آں حضرتؐ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا۔۔ کہ چچا جان ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے اگر آپ پسند کریں تو ہم دونوں آپ کے بیٹوں کی کفالت اپنے ذمہ لیں اس گفتگو کے بعد حضرت عباسؓ نے جعفرؓ بن ابی طالب کو اور آنحضرتؐ نے علیؓ بن ابی طالب کو پرورش کے لئے منتخب کر لیا۔ (زرقانی جلد اول ص ۲۸۰)

چنانچہ پانچ سال کی عمر سے لے کر ساڑھے پچیس سال کی عمر تک حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے، اس طرح کاشانۂ نبوت میں رہ کر تعلیم و تربیت کے جو مواقع حضرت علیؓ کو میسر آئے وہ دوسرے صحابہؓ کو نہیں مل سکے اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ دنیا کے ان معدودے چند مقدس نفوس میں سے تھے جن کی تعلیم و تربیت رسولؐ گرامی نے بنفس نفیس فرمائی۔ آپ کی عمر دس سال کی تھی کہ آں حضرتؐ کو منصب نبوت پر سرفراز فرما لیا گیا اور جب حضرت علیؓ کو حضورؐ کے اس منصب جلیلہ کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنی سلامتیٔ طبع اور سعادت فطری کی بنا پر بلا کسی پس و پیش کے اسلام قبول کر لیا۔ آپؓ دنیا کی ان چار خوش قسمت اور نادر شخصیتوں میں سے تھے جنہیں سب سے پہلے حضور صلعم کی آواز پر لبیک کہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یعنی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارث۔

نصرتِ اسلام

قبول اسلام کے وقت حضرت علیؓ کی عمر اگرچہ بہت کم تھی مگر اس چھوٹی سی عمر میں بھی خدمتِ اسلام کا شعور آپ میں پوری طرح پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ جب آنحضورؐ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے جاتے تو

حضرت علیؓ بھی آپ کے ساتھ جاتے تھے۔ اور حضورؐ کے طرزِ تبلیغ کا بڑے غور سے مشاہدہ کرتے (ملہ کنزالعمال جلد ششم ص۳۱۹)

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آں حضرت خانہ کعبہ میں مصروفِ عبادت ہوتے اور حضرت علیؓ بتوں کے ہاتھ پیر اور سر توڑ کر انہیں عیب دار کرنے میں مصروف ہوتے۔ حالانکہ آں حضرت نے انہیں کبھی اس قسم کی ہدایت نہیں فرمائی مگر خود ان کی فطرت میں بتوں سے نفرت کا جذبہ موجزن رہتا تھا یہ اسی جذبہ کی کارفرمائی کے مظاہر تھے (ملہ مسند ابن حنبل جلد اول ص۸۴)

بعثت نبویؐ کے چوتھے سال آں حضرتؐ کو حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو دعوتِ اسلام دیجیے۔ چنانچہ آپ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں بنو ہاشم کے چالیس افراد شریک ہوئے۔ ان لوگوں میں حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، ابولہب اور ابوطالب کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس دعوت کا انتظام آپؐ نے حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ چودہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس صغر سنی کے باوجود انہوں نے بڑے سلیقے سے اس تقریب کا اہتمام کیا اور بکری کے پایوں اور دودھ سے شرکائے دعوت کی تواضع کی۔ آں حضورؐ چاہتے تھے کہ کھانے سے فراغت کے بعد حاضرین سے خطاب فرمائیں۔ مگر اس شب ابولہب نے (غالباً شراب میں مخمور ہونے کی وجہ سے)

اس قدر زیادہ گوئی کی کہ آپ کو تقریر کرنے کا موقع نہ ملا۔ دوسری شب پھر اسی قسم کی ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا اور جب سب لوگ کھانا کھا چکے تھے تو حضورؐ کھڑے ہوئے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے اہلِ مجلس! میں آپ لوگوں کیلئے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ سارے عرب میں کوئی شخص اس سے بہتر اور افضل چیز اپنی قوم کیلئے لایا ہو۔ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاؤں، بتلائیے آپ میں سے کون میرا ساتھ دے گا۔"

حضورؐ کی یہ تقریر سن کر ہر طرف سکوت طاری ہو گیا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔ ہاں ایک نوجوان کھڑا ہوا اور آپؐ کو مخاطب کر کے اعلان کیا کہ حضورؐ میں حاضر ہوں۔

یہ جرأت مندانہ آواز حضرت علیؑ کی تھی۔ حضرت علیؑ کا یہ اعلان سن کر حضورؐ نے ابوطالبؑ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ اس کی بات سنا کیجئے اور یہ جو کہے اسے مان لیا کیجئے۔ یہ سنتے ہی لوگ قہقہے لگانے لگے اور بعض لوگوں نے ازراہِ تمسخر ابوطالب سے کہا کہ لو آج سے تم اپنے بیٹے کا حکم مانا کرو۔ (تاریخ ابوالفداء ص ۱۱۶)

جاں نثاری

اس تقریب میں حضرت علیؑ نے جانثاری کا جو اعلان فرمایا تھا بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ اعلان کسی وقتی جذبے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے آپ کا شعورِ آگہی اور اسلام کی وہ صداقت بول رہی تھی جو آپ کے دل میں پوری طرح گھر کر چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہجرت سے لے کر جنگِ حنین تک ہر صبر آزما مرحلے میں علیؑ کی تلوار آبدارِ اسلام اور رسولؐ اللہ کی حمایت و خدمت میں بے نیام ہوتی رہی، سوائے ایک جنگ کے جس میں حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ میں قیام کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ باقی ہر جنگ میں حضرت علیؑ آنحضرت کے ہم رکاب رہے اور ان جنگوں میں آپ سے شجاعت و جانثاری کی وہ وہ محیر العقول کارنامے ظہور میں آئے جن کی بنا پر آپ کا نام شجاعت کا نشان قرار پا گیا۔ اور آپ کی ضربِ حیدری ضرب المثل بن گئی۔ عرب کے بڑے بڑے سورما (جن میں سے ایک ایک شخص نناوے ہزار کے برابر سمجھا جاتا تھا) حضرت علیؑ کی شمشیر خارا شگاف سے مولی گاجر کی طرح کٹ کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ وہ بڑے بڑے معرکے جو کسی سے سر نہ ہوئے حضرت علیؑ نے اپنی بے مثال

شجاعت اور عسکری مہارت سے یوں فتح کر لئے جیسے کوئی بات ہی نہ تھی۔ بعض خونریز معرکوں میں بڑے بڑے جی دار لوگ میدان چھوڑ گئے مگر حضرت علیؓ کا نام ان چند نفوس میں ہمیشہ سر فہرست رہا جنہوں نے اپنے پیارے آقا کو کسی حالت میں بھی تنہا چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

تفویض منصب

حضرت علیؓ کی ان عظیم الشان خدمات کی وجہ سے حضورؐ کی نظر میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضورؐ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو سرکاری مناصب سے بہت دور رکھا۔ حالانکہ بنو ہاشم میں بڑے بڑے بہادر اور عقیل و فہیم لوگ موجود تھے مگر آپؐ نے ان میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہ دیا۔ صرف ایک مثال حضرت علیؓ کی ہے کہ آپؐ نے انہیں متعدد مناصب پر فائز کیا۔ چنانچہ آپؓ صوبۂ یمن کے سب سے پہلے چیف جسٹس مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد آپ کو اسی صوبے کا وزیر مال مقرر کیا گیا اور عرصہ دراز تک آپؓ اس منصب پر فائز رہے۔ اس سے پہلے حضورؐ نے ایک بار حضرت علیؓ کو یمن کی مہم پر ایک لشکر کا قائد بنا کر بھیجا۔ پھر مزید کمک کے طور پر ایک لشکر حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں روانہ فرمایا اور انہیں ہدایت کی کہ جب تم اور علیؓ اکٹھے ہو جاؤ تو

سردار علیؓ ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ کے نزدیک حضرت علیؓ کا مرتبہ کتنا اونچا تھا۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت علیؓ نے جہاد بالسیف کے علاوہ جہاد بالسان یا تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بھی بڑے گراں قدر کارنامے سرانجام دیئے اور ان کا آغاز بھی اسی صوبۂ یمن سے ہوا۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ آنحضرت نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لئے یمن بھیجا۔ حضرت خالدؓ چھ ماہ تک نہایت محنت و اخلاص سے تبلیغ میں کوشاں رہے۔ مگر اتفاق کی بات کہ انہیں کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا۔ اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھ کر انہیں یمن روانہ فرمایا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ علیؓ کی زبان میں تاثیر عطا فرما۔

(زرقانی جلد سوم ص ۱۲۲)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر عطا فرمائی کہ ان کے یمن پہنچتے ہی اہل یمن حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور ایک قبیلہ جو ہمدان کے نام سے مشہور ہے سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔ (فتح الباری جلد ششم ص ۱۵۲)

وصالِ نبویؐ کے بعد

سنہ ۱۱ھ میں جب آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا تو حضرت علیؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور آپ کے سوا دو سالہ عہدِ خلافت میں ان کے رفیق و مشیر رہے۔ جب باغیوں کی طرف سے مدینہ پر حملے کا اندیشہ ہوا اور حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو مدینہ کی حفاظت پر مقرر کیا تو حضرت علیؓ مجاہدین کے ایک دستے کی قائد کی حیثیت سے مدینہ کے ایک اہم ناکہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے بلا پس و پیش ان کی بھی بیعت کر لی۔ اور آخر وقت تک ان کے ہمدم و ہمراز رہے۔ حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ پر جو اعتماد تھا اس کا اندازہ کر لینے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائمقام مقرر کیا۔ (ج۱ طبری ص۲۴۰۲)

اس کے علاوہ ہر مشکل مرحلے میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے رائے لی اور حضرت علیؓ نے انہیں مشورے دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ حضرت علیؓ کے یہ مشورے اتنے صائب ہوتے تھے کہ ایک بار

حضرت عمرؓ کہہ اٹھے تھے کہ "خدا کی قسم اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو گیا ہوتا"۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے اسی وقت اُن کی بھی بیعت کر لی اور حضرت عثمانؓ کو بھی اپنے دونوں پیش روؤں کی طرح حضرت علیؓ کا تعاون حاصل رہا۔ جب ایک منظم سازش کے تحت کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغیوں نے مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے خلاف اپنی شکایات بیان کیں تو حضرت علیؓ ہی تھے جنہوں نے سمجھا بجھا کر ان مفسدوں کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب دوسری بار ان لوگوں نے مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کیا تو اس موقع پر بھی حضرت علیؓ ہی نے اپنے اثر و نفوذ سے کام لے کر باغیوں کو واپس کر دیا تیسری بار ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر سختی شروع کی تو اس موقع پر بھی حضرت علیؓ نے اپنی خدمات پیش کیں لیکن حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ اور ان تمام صحابہؓ کو جو خلیفۃ المسلمین کی مدافعت میں اپنی تلواریں بے نیام کرنا چاہتے تھے سختی کے ساتھ خونریزی کرنے سے منع کر دیا۔ مجبوراً حضرت علیؓ کو خانہ نشین ہونا پڑا اور پھر وہ المناک اور لرزہ خیز واقعہ پیش آیا جس نے حضرت عثمانؓ ہی کی جان نہیں لی بلکہ امت محمدیہ کے بھی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے۔

مسندِ خلافت پر

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا حضرت علیؓ کی خلافت جن جید صحابہؓ اور مدینہ کے ممتاز افراد کی بیعت سے منعقد ہوئی ایک مستند مورخ نے ان کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے،

یوم جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ ہجری کو حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ ان بیعت کرنے والوں میں طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل، عمارؓ بن یاسر، اسامہؓ بن زید، سہیلؓ بن حنیف، ابوایوبؓ انصاری، محمدؓ بن مسلمہ، زیدؓ بن ثابت، خزیمہؓ بن ثابت اور وہ تمام صحابہ شامل تھے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔

(طبقات ابن سعد حصہ اوّل جزو پنجم)

جس وقت حضرت علیؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے وہ اسلام کا نازک ترین وقت تھا۔ امت مسلمہ متعدد گروہوں میں بٹ چکی تھی، ایک طرف بنوامیہ امیر معاویہؓ کے پرچم تلے جمع ہو کر مظلوم خلیفہ کا قصاص طلب کر رہے تھے دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہؓ بعض لوگوں کے بھڑکانے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو کر بصرہ پہنچ چکی تھیں، تیسری طرف مسلمانوں کی اکثریت

حضرت علیؓ کی قیادت میں خلافت حقہ کو مستحکم کرنے کا عہد کر چکی تھی۔ ان حالات میں بڑے تدبر و فراست اور دور اندیشی کی ضرورت تھی۔ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان الجھے ہوئے حالات کو سلجھانے کے لئے اپنی غیر معمولی بصیرت اور ثبات و استقلال کا مظاہرہ کیا اور ایک ایک کر کے ساری رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ سب سے پہلے انہوں نے حضرت عائشہؓ کے زبردست لشکر کو شکست دی اور بصرہ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد وہ حضرت معاویہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور جہاں تک تلوار کی جنگ کا تعلق ہے انہیں عبرتناک شکست دی اور حضرت معاویہؓ نے گھبرا کر مصالحت کی پیش کش کر دی۔ تیسری طرف انہوں نے نہروان کی جنگ میں خارجیوں کو ہزیمت دے کر ان کا قلع قمع کر دیا۔ ان جنگوں سے فراغت پانے کے بعد انہوں نے ملک کے نظم و نسق کی اصلاح کی جانب توجہ دی۔ چھاؤنیوں اور قلعوں کو مستحکم کیا بعض نئے قلعے اور چھاؤنیاں تعمیر کرائیں۔ ان خانہ جنگیوں کے دوران میں خراسان کے جن غیر مسلم سرداروں نے بغاوت کر کے متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا آپ نے آزمودہ کار فوجوں کے دستے بھیجکر ایک ایک کو شکست دی اور ان علاقوں کو دوبارہ اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ نظام سلطنت میں متعدد اصلاحات کیں اور جہاد کی غرض سے دو لشکر سندھ اور کوکن علاقہ بمبئی کی طرف روانہ کئے ان دونوں لشکروں کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی (فتوح البلدان ص ۴۳۲ البلاذری مطبوعہ ۱۹۲۵ء لیڈن)

انتقال سے پہلے کچھ عرصہ آپ نے چالیس ہزار بہادروں کا ایک لشکر مرتب کیا جو مارنے مرنے کی قسمیں کھا چکا تھا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ اس لشکر کو ہمراہ لے کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کریں اور یقین تھا اگر یہ جنگ برپا ہو جاتی تو شام اور مصر کے باغی صوبوں پر بھی آپ کا تسلط قائم ہو جاتا اور دنیا ایک بار پھر مثالی حکومت کا نظارہ دیکھ لیتی مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور پیشتر اس کے کہ آپ یہ لشکر لے کر شام کی طرف روانہ ہوتے کہ ایک بدبخت عبدالرحمن ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (یہ واقعہ ۱۹ رمضان ۴۰ھ کو پیش آیا)

حضرت علیؓ کی شخصیت

حضرت علیؓ تاریخ اسلام کی ان معدودے چند شخصیتوں میں سے تھے جنہیں جامع الصفات کہا جاتا ہے وہ ایک طرف میدان شجاعت کے مرد تھے تو دوسری طرف علم و فضل میں فرد تھے۔ انہوں نے نوجوانی کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک بیسیوں معرکوں میں حصہ لیا اور ہر معرکے سے مظفر و منصور واپس آئے۔ گھمسان کی جنگ میں بھی ان کے پاؤں میں کبھی لغزش نہیں آئی اور انہوں نے کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ حضورؐ کی خدمت میں گذارا اور حضورؐ ہی نے ان کی

تعلیم و تربیت فرمائی ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علم دین کے بہت بڑے ماہر تھے ، اور قرآن کریم کی تفسیر کے باریک سے باریک نکات سے واقف تھے ۔ کتنی ہی آیتیں اور سورتیں ان کی موجودگی میں نازل ہوئیں اور بقول اُن کے وہ قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر سورت کی شانِ نزول سے پوری طرح آگاہ تھے وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے جج تھے اور ان سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والا اُن کے بعد کوئی پیدا نہیں ہوا ۔ ان کے بعض فیصلے آج بھی قانون کی کتابوں میں درج ہیں اور یورپ کے بڑے بڑے ماہرینِ قانون اور جسٹس انہیں حوالے کے طور پر پیش کرتے ہیں ۔ ان کی دستارِ فضیلت زہد و تقویٰ کے گوہر آبدار سے بھی مزین تھی ۔ یہ تقویٰ ان کی ذاتی زندگی سے لے کر خلافت و سیاست تک ہر شعبے میں کارفرما تھا ۔ وہ خود بھی بہت کم اور سادہ خوراک استعمال کرتے تھے ۔ موٹا جھوٹا لباس پہنتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے مگر انہیں خلافت کے لئے جو زمانہ ملا تھا وہ اس زہد و تقویٰ کے لئے سازگار نہ تھا ۔ ان کے زمانے کے لوگ عہدِ رسالت کے لوگوں کی طرح مستغنی المزاج اور قناعت پسند نہ تھے ۔ نہ اُن کا دینی معیار اس عہد مبارک کے لوگوں کی طرح بلند تھا ان کا سابقہ جن لوگوں سے پڑا تھا وہ شام و عراق اور ایران جا کر وہاں کے لوگوں کی شان و شوکت اور عیش پرستیاں دیکھ آئے تھے ۔ دولت کی

ریل پیل نے ان کی آنکھوں میں جو چکا چوند پیدا کر دی تھی اور وہ بھی اسی انداز سے زندگی گزارنا چاہتے تھے لیکن انہیں جو خلیفہ ملا تھا وہ بے حد زاہد اور سخت گیر تھا اور ایک درہم بھی غلط جگہ پر خرچ کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ حضرت علیؓ کے عہد میں جو فتنے رونما ہوئے ان کے تقویت پکڑنے کی ایک بڑی وجہ حاکم و محکوم کے نظریات و مزاج کا یہ تضاد بھی تھا۔ انہوں نے ایک موقع پر اپنے حریف امیر معاویہؓ سے اپنا مقابلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ شاید لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے سیاست نہیں آتی اور میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں۔ میں یہ سارے طریقے خوب جانتا ہوں لیکن میں اپنی مطلب برآری کے لئے کبھی کوئی غلط کام نہیں کروں گا اور نہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اللہ کی امانت (بیت المال) کو ناجائز طور پر خرچ کروں گا۔ اگر حضرت علیؓ چاہتے تو چال بازیوں سے کام لے کر اور سردارانِ قبائل کو رشوتیں دے کر بڑی آسانی سے اپنے ساتھ ملا لیتے اور اس طرح نامساعد حالات مساعد ہو جاتے مگر سیاست کا یہ گھٹیا کھیل وہ اسلامی تعلیم اور اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ وہ تو ایک شمشیر بے نیام تھے اور وہی کرتے اور کہتے تھے جو حق ہوتا تھا۔ وہ ہر معاملے کو اسلام کے اصول کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور خدائی احکام کو نافذ کرانے میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ

ایک بار جب وہ یمن کے وزیر مال کے منصب جلیلہ پر فائز تھے تو بعض لوگوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی شکایت کی۔ یہ شکایت کچھ قیمتی کپڑے کے متعلق تھی جو حضرت علیؓ کے نائب نے آپ کی اجازت کے بغیر فوج میں تقسیم کر دیا تھا۔ چونکہ یہ بیت المال کی ملکیت تھی اس لئے جب حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہ کپڑا ان لوگوں سے واپس لے کر مقامی بیت المال میں جمع کرا دیا۔ فوج کے بعض لوگوں نے آنحضرتؐ سے حضرت علیؓ کے اس سلوک کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ "اے لوگو! علیؓ کی شکایت نہ کیا کرو وہ خدائی احکام کے بارے میں بہت سخت واقع ہوئے ہیں"۔

(سیرت ابن ہشام)

حضرت علیؓ کی ذاتی زندگی بھی بڑی پاکیزہ تھی اور ان کے اخلاق و عادات مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ رسول اللہؐ کے بھائی اور آپؐ کے داماد تھے۔ حسب و نسب کے لحاظ سے عرب کے ممتاز ترین فرد تھے اور اس وقت کی معلوم دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا تھے۔ مگر اس کے باوجود نہایت منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اپنا سودا بازار سے خود خرید کر لاتے تھے۔ اپنی جوتی خود سیتے تھے۔ ظاہری شان و شوکت اور طمطراق سے انہیں بعید

نفرت تھی۔ بازار سے گزرتے ہوئے جب کبھی لوگ ازراہِ تعظیم ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگتے تھے تو انہیں یہ کہہ کر روک دیتے تھے کہ میرے پیچھے مت چلو۔ اس قسم کے امور والی کو فتنے میں ڈال دیتے ہیں۔ (یعنی اس میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے)

حضرت امام احمدؒ بن حنبل نے اپنی مشہور کتاب مسند میں ایک روایت درج کی ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب میں حضورؐ کے ساتھ بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رکھتا تھا اور آج (میری دولت کا) یہ حال ہے کہ صرف چالیس ہزار کی رقم تو میں زکوٰۃ کے طور پر ادا کرتا ہوں۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۱۵۹)

لیکن اس قدر مالدار ہونے کے باوجود آپ کا حال یہ تھا کہ عام طور پر جَو کی روٹی اور سرکہ اور کبھی کبھار گوشت آپ کے دسترخوان پر ہوتا تھا۔ بعض دفعہ پیالے میں ستو ڈال کر انہیں پانی میں ملا کر پی لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ساری دولت فقرا، معذوروں، یتیموں اور بیواؤں پر صرف ہوتی تھی اور آپ کے نزدیک مال کا بہترین مصرف یہی تھا۔

حضرت علیؓ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اور ۴۰ھ میں شہید ہو گئے

تقریباً پونے پانچ سال خلافت کی۔ ۶۳ سال کی عمر پائی۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد مختلف اوقات میں آٹھ شادیاں کیں۔ اکتیس اولادیں ہوئیں۔ جن میں چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں۔ آپ کی اولادوں میں حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت زینبؓ نے بڑی شہرت پائی۔ اس وقت آپؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کی زندگی اور شخصیت کا تذکرہ ہمارے پیش نظر ہے اور آئندہ صفحات میں ہم اسی موضوع پر روشنی ڈالیں گے۔

حسنؓ بن علیؓ

حسنؓ بن علیؓ

ایک نہایت وجیہہ و شکیل اور مردانہ حسن کا پیکر کھجوروں کے باغ کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے ایک حبشی غلام کھانا کھا رہا ہے۔ قریب ہی ایک کتا کھڑا ہے۔ غلام ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور دوسرا کتے کے آگے ڈال دیتا ہے۔ اس طرح اس نے نصف روٹی خود کھائی اور نصف کتے کو کھلا دی۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے غلام سے پوچھا کہ تو نے کتے کو دھتکار کیوں نہ دیا۔ غلام نے جواب دیا کہ "میری آنکھوں کو اس کی آنکھوں سے حجاب آیا"۔ اس مرد وجیہہ پر غلام کا جواب سن کر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور اس نے غلام سے اس کا نام اور پتہ دریافت کیا۔ غلام نے بتایا کہ میں آبان بن عثمانؓ کا غلام ہوں۔ پوچھا یہ باغ کس کا ہے۔ کہنے لگا کہ باغ بھی انہیں کا ہے۔ یہ سن کر مرد شکیل نے غلام سے کہا کہ میری واپسی تک کہیں نہ جانا۔

کچھ دیر کے بعد اس نے واپس آکر غلام سے کہا کہ میں نے تمہیں تمہارے آقا سے خرید لیا ہے۔ یہ سن کر غلام بطور تعظیم کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں جو حکم ہو۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ یہ باغ بھی میں نے خرید لیا ہے میں تم کو راہِ خدا میں آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ تمہارے نام ہبہ کرتا ہوں۔ غلام یہ سن کر پیروں پر گر پڑا (ابن عساکر جلد چہارم ۲۱۴)

ولادت

یہ نکتہ شناس اور ادا نواز شخص حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب تھا۔ حسنؓ بن علیؓ جو حضرت امام حسنؓ کے پُر عظمت اور مقدس نام سے مشہور ہیں ۱۵ رمضان ۳ ہجری کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پیدائش کی خبر دی گئی۔ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے۔ نومولود کو ایک سپید کپڑے میں لپیٹ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے گود میں لیا اور پوچھا اس کا کیا نام رکھا ہے۔ بتایا گیا کہ حرب، آپ نے فرمایا کہ نہیں اس کا نام حسنؓ رکھو۔ پھر حکم دیا کہ ساتویں روز اس کا عقیقہ کرنا اور دو جانور ذبح کر کے بچے کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دینا چنانچہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ساتویں دن اس بچہ کا عقیقہ کیا گیا اور دو مینڈھے ذبح کر کے ان کا گوشت کچھ خیرات کیا گیا۔

اور کچھ مدینہ کے مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ (استیعاب جلد اول ص ۱۴۱)

بچپن اور تعلیم و تربیت

اس امر میں کسی شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں کہ تعلیم و تربیت اور پرورش کرنے کے لئے جو عظیم المرتبت ہستیاں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو میسر آئیں وہ اس روئے زمین پر اور کسی کو نہ مل سکیں وہ بیک وقت حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تربیت رہے جو بہترین خلائق تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کی تربیت کی اور حضرت علیؓ نے انہیں تعلیم دی۔ وہ وقتاً فوقتاً آں حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور حضورؐ انہیں بہترین اخلاق کی تعلیم دیتے، ان کی عادات کو سنوارتے اور ان کے طور طریقوں کی نگرانی فرماتے۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور بچپن کی وجہ سے برتن میں ہاتھ ڈال کر ترکاری کے ٹکڑے جہاں نظر آتے نکال نکال کر کھاتے جاتے۔ حضورؐ نے فوراً انہیں ٹوکا اور فرمایا کہ "بیٹے! سالن اپنے آگے سے کھاتے ہیں۔"
ایک بار حضرت امام حسنؓ حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت امام حسینؓ بھی ساتھ تھے۔ کہنے لگے نانا جان ہم دونوں کشتی لڑتے ہیں آپ

فیصلہ کیجیے کہ کون زیادہ طاقتور ہے۔ آپؐ نے فرمایا ۔" اے عزیزو آپس کشتیاں لڑنا تمہارے حسب حال نہیں ہے۔ لکھنے کی مشق کیا کرو۔" اکثر اوقات مسجد میں بھی آپ حضورؐ کے پاس ہوتے اور آپؐ کے ساتھ ہی نماز ادا کرتے۔

مسجد نبویؐ میں حضورؐ کے خطبات سننے اور آپؐ کی پاکیزہ مجلس میں شریک رہنے کی وجہ سے بچپن ہی سے آپ کو علم دین سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا اور آپؐ کے اخلاق و عادات پاکیزہ سانچے میں ڈھل گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے بچپن کے واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ آپ نے اپنے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے ساتھ کبھی سخت کلامی یا ان پر دست درازی کی ہو۔ انہوں نے کبھی لغو مشاغل میں بھی حصہ نہیں لیا۔ البتہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ تیر اندازی کے مقابلوں میں شرکت کرنے کے واقعات ملتے ہیں۔ نیزہ بازی اور شہسواری کا بھی آپ کو بچپن ہی سے شوق تھا اور ان فنون میں آپ کو بڑی مہارت حاصل ہو گئی تھی۔

حضورؐ کی شفقت و محبت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت امام حسنؑ سے جو غیر معمولی محبت تھی اس سے کتبِ سیر و تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

آپ حضرت امام حسنؓ کو دیکھنے اکثر حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لاتے۔ ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر بے قرار ہو جاتے۔ ان کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعائیں فرماتے کبھی اپنی پیٹھ پر بٹھاتے کبھی کندھوں پر اٹھاتے، کبھی اپنے دونوں پیر دل کے درمیان راستہ بناتے جس میں سے حسنؓ گزرتے اور آپ انہیں دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتے۔ وقتاً فوقتاً آپ کی زبان مبارک سے حضرت امام حسنؓ کے لئے کلمات خیر نکلتے رہتے جن سے حضرت امام حسنؓ کی منزلت کا تعین ہوتا ہے چنانچہ ایک بار ارشاد فرمایا کہ حسنؓ و حسینؓ مجھے اہل بیت میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ (ترمذی باب فضائل حسنینؓ)

ایک بار حضرت حسنؓ کو آپؐ نے اپنے دوش مبارک پر چڑھایا اور پھر فرمایا کہ "خداوندا" یہ مجھے محبوب ہے پس تو بھی اسے محبوب رکھ"۔
(ترمذی باب فضائل حسنینؓ)

مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ میں حضورؐ کے ساتھ قینقاع کے بازار سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں حضرت فاطمہؓ کا مکان پڑا۔ چنانچہ آپؐ ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور جاتے ہی دریافت فرمایا کہ حسنؓ و حسینؓ کہاں ہیں۔ اتنے میں دونوں آگئے اور آپ کو دیکھتے ہی فرطِ محبت سے لپٹ گئے۔ حضورؐ نے انہیں اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا اور فرمایا کہ "اے خداوند تعالےٰ یہ

مجھے محبوب ہیں پس تو بھی انہیں محبوب رکھ اور انہیں بھی جو انہیں محبوب رکھتے ہیں ۔" (مسلم باب الفضائل الحسنینؓ)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس نے حسنؓ و حسینؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی ۔ (سر الشہادتین ص۸)

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز خطبہ پڑھ رہے تھے کہ قبیلہ ازد شنوءة کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک روز رسول اللہؐ (حضرت امام حسنؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) انہیں گود میں لئے ہوئے فرما رہے تھے کہ جو شخص یہاں میری بات سن رہا ہے وہ ان تک پہنچا دے جو یہاں نہیں ہیں کہ جو مجھے محبوب رکھتا ہے وہ حسنؓ کو بھی محبوب رکھے "۔ اس کے بعد اس شخص نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر مجھے رسولِ خدا کے حکم کی تعمیل کا خیال نہ ہوتا تو میں یہ بات نہ کہتا ۔" (تاریخ الخلفاء سیوطی تذکرہ حسنؓ)

خلفائے راشدین کی شفقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح آپ کے تینوں جانشینوں کا سلوک

بھی حضرت امام حسنؓ کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور محبت آمیز تھا۔ خصوصاً حضرت ابوبکرؓ تو آپ سے بیحد محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں امام حسنؓ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے بخدا یہ نبیؐ سے مشابہ ہے۔ علیؓ سے نہیں" حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے اس محبت آمیز فقرے پر بہت مسرور ہوئے (بخاری باب مناقب الحسنؓ الحسینؓ)

ایک روز آپؓ نے حضرت امام حسنؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرنے سے کہیں زیادہ رسولؐ کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا پسند کرتا ہوں۔ مجھے اپنے اقارب سے زیادہ رسولؐ اللہ کے اقارب عزیز ہیں۔ (بخاری)

پھر ایک روز فرمایا کہ" اے اہل بیت نبویؐ اپنے رشتہ داروں سے زیادہ آپ لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ آپ لوگ رسولؐ اللہ کے قریبی ہیں اور آپ کو ساری دنیا کے مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی حضرت امام حسنؓ سے نہایت شفقت آمیز

سلوک کرتے تھے اور اگر چند روز تک حضرت امام حسنؓ آپؓ کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تو انہیں بلواتے اور اپنے پاس بٹھا کر نہایت تلطف آمیز گفتگو کرتے۔ کبھی فرماتے آپؓ مجھے اپنے بیٹوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ کبھی فرماتے کہ فرزندِ رسولؐ فرزند عمرؓ سے کہیں زیادہ معزز ہے۔ جب آپ نے بیت المال سے صحابہ کے وظائف مقرر فرمائے تو باوجود یکہ جنگ بدر کے وقت حضرت امام حسنؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مگر حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ اتنا ہی مقرر فرمایا جتنا اصحابِ بدر کا تھا (فتوح البلدان ذکر عطایائے عمرؓ)

میدان عمل میں

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت امام حسنؓ پوری طرح جوان ہو چکے تھے۔ اسی عہد سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ نے طبرستان کی جنگ میں حصہ لیا۔ یہ جہاد ۳۰ھ میں ہوا تھا اور سعید بن العاص اس مہم کے کمانڈر انچیف تھے۔ (الکامل ابن اثیر جلد نمبر ۳ صفحہ ۸۴)

دوسرا واقعہ جس میں آپؓ کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے حضرت عثمانؓ کی مدافعت سے متعلق ہے۔ جب ملت اسلامیہ کے باغیوں اور مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس قدر سخت ناکہ بندی کی کہ

کھانے پینے کی کوئی چیز اندر نہیں جا سکتی تھی تو حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ ہی کے ہاتھوں پانی کا ایک مشکیزہ حضرت عثمانؓ کے لئے بھیجا تھا۔ پھر اُمّ المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے بھی حضرت امام حسنؓ ہی کے ہاتھوں کھانے پینے کی بعض اشیاء حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھجوائیں تھیں ۔۔۔ ایک روایت کے مطابق ام حبیبہؓ کے علاوہ ام المومنین حضرت صفیہؓ بھی حضرت عثمانؓ کی امداد کرتی تھیں اور حضرت حسنؓ ہی ان کے گھر سے کھانا اور پانی لے کر حضرت عثمانؓ کے گھر لے جایا کرتے تھے۔ (اصابہ جلد اول ص۱۲۷)

اصحابؓ مدینہ کے جن فرزندوں نے اس محاصرے کے دوران میں شب و روز حضرت عثمانؓ کے مکان کا پہرہ دیا ان میں حضرت امام حسنؓ بھی شامل تھے اور جب باغیوں نے بیتِ عثمانؓ میں طاقت کے زور سے داخل ہونے کی کوشش کی تو حضرت امام حسنؓ نے دوسرے محافظین کی معیت میں بڑی شدت سے جنگ کی اور باغیوں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اس مزاحمت میں آپؓ کے جسم پر کئی زخم بھی آئے لیکن خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی اور ادھر سے ناکام ہونے کے بعد باغی پشت کی طرف سے مکان میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو اس

عہد میں حضرت امام حسنؓ کی شخصیت کے نقوش پوری طرح اجاگر ہونے لگے۔ اس عہد میں آپ ہمیں سب سے پہلے کوفہ کی جامع مسجد میں نظر آتے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ بنو امیہ کے مفرور افراد نے مکہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو بھڑکایا ہے اور ان کے سامنے معاملے کا غلط رخ پیش کیا ہے جس سے متاثر ہو کر وہ ایک لشکر کے ہمراہ بصرہ پہنچ چکی ہیں پھر اس کے بعد ہی انہیں یہ خبر ملی کہ ان کی فوج نے بصرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس خطرناک صورتِ حال سے عہدہ برآہونا حضرت علیؓ کے لئے ناگزیر ہو گیا چنانچہ انہوں نے عراق کی جانب کوچ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اہل کوفہ کو ایک خط لکھا کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا اگلا قدم کوفہ کی طرف اٹھنے والا ہے۔ اس خط میں انہوں نے اہل کوفہ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"میں نے تمہیں لوگوں کو اپنے لئے منتخب کیا ہے اور تمہارے ہی پاس آکر قیام کروں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم خدا رسولؐ خدا اور مجھ سے محبت کرتے ہو۔ یاد رکھو میری تائید و نصرت کرنے والا حق و انصاف کی تائید و نصرت کرے گا

اور اس فرض سے عہدہ برآ ہو جائے گا جو اس کے ذمہ ہے۔"

اس خطبہ کے بعد تھوڑا سا توقف کر کے آپؑ نے اپنے معتمدین محمد بن ابو بکر اور محمد بن عوف کو جانب کوفہ بھیجا تاکہ وہ جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔ یہ اقدامات آپ نے مقام ربذہ میں کئے تھے جہاں آپ بصرہ جانے کے لئے لشکر مرتب فرما رہے تھے۔ یہیں سے آپ نے اہل مدینہ کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور انہیں بھی تائید و نصرت کی تحریک کی۔ اس تحریک کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور ہزاروں افراد کا ایک لشکر جرار آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا۔ اس فوج کو مخاطب کر کے آپ نے حسب ذیل تقریر کی۔

"اما بعد۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ معزز کیا۔ ہمارا درجہ بلند کیا۔ ہمیں رسوائی اور نفرت و عناد سے نجات دے کر ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ جب تک خدا تعالیٰ کی مرضی تھی لوگ اتفاق و اتحاد کی راہ پر گامزن رہے۔ انہوں نے اسلام کی پیروی کی۔ حق ان میں موجود رہا اور وہ کتاب الٰہی کو اپنا راہ نما بنائے رہے حتیٰ کہ بعض فتنہ پرداز لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا یہ وہ لوگ تھے جنہیں شیطان نے امت محمدیہ میں نفاق و انتشار پیدا کرنے کے لئے اپنے پیچھے لگایا تھا۔ یہ لازمی بات ہے کہ یہ

امت بھی اسی طرح اختلاف و انتشار میں مبتلا ہو جس طرح پچھلی امتیں اس کا شکار ہوئیں۔ ہم خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس فتنہ انگیزی سے جس کے آئندہ رونما ہونے کا امکان ہے لیکن جو کچھ پیش آنا ہے وہ پیش آکر رہے گا اور امت محمدیہ کے تہتر فرقے ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس وقت تک جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ چکے ہو۔ پس تم اپنے دین پر سختی سے قائم رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہو جاؤ — سنت رسولؐ کی اتباع کرو۔ جب کوئی دشواری پیش آئے تو قرآن کی طرف رجوع کرو۔ جس چیز کی قرآن تائید کرے لے اختیار کرو اور جس چیز کی تردید کرے اس سے بچو۔ خدا کے رب العالمین ہونے پر، اسلام کے دین حق ہونے پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے پر اور قرآن حکیم کے حکم و عدل ہونے پر رضامند رہو۔"

اس تقریر سے حضرت علیؓ کے جانثاروں میں ایک عجیب جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ مارنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مالک اشتر کو کوفہ جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ آپ نے اس سے پہلے اپنے جن معتمدین کو کوفہ بھیجا تھا

انہوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ کوفہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری
اپنی امن پسندی کی وجہ سے لوگوں کو گھروں میں بیٹھے رہنے کی تلقین کر رہے
ہیں مگر حضرت ابن عباسؓ اور مالک اشتر کو بھی اس مشن میں ناکامی ہوئی۔
کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی یہ رائے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا
کہ جب تک موجودہ فتنہ ختم نہ ہو جائے اس وقت تک جنگ کے لئے نہیں
نکلنا چاہیئے۔ انہوں نے اپنی سادگی کی بنا پر یہ نہ سوچا کہ فتنہ گھر میں بیٹھے
بیٹھے تو ختم نہیں ہوگا۔ فتنہ کو ختم کرنے کے لئے تو گھر سے باہر نکلنا پڑے گا۔
اور یہی حضرت علیؓ کا مقصد و مدعا تھا۔

حضرت حسنؓ ایک اہم مشن پر

بہر حال ابن عباسؓ اور مالک اشتر کی ناکام واپسی کے بعد آپ نے
حضرت امام حسنؓ اور مشہور صحابی حضرت عمارؓ بن یاسر کو کوفہ کی جانب روانہ کیا
جس وقت یہ دونوں بزرگ کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوئے تو کوفہ کے
گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ منبر پر بیٹھے ہوئے حاضرین سے خطاب کر رہے
تھے اور کہہ رہے تھے۔

"**لوگو!** فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور جب فتنہ اٹھتا ہے تو کچھ معلوم
نہیں ہوتا کہ کدھر سے اٹھا ہے اور کس نے اٹھایا ہے پس تم اپنی تلواروں کو

نیام میں ڈال دو، اپنے نیزوں کے پھل توڑ ڈالو، اپنی کمانوں کے چلّے اتار دو اور گھروں میں بیٹھے رہو۔ اے لوگو فتنہ کے ایام میں کھڑے ہونے والے سے سونے والا اور چلنے والے سے کھڑا ہوا شخص بہتر ہوتا ہے۔"

جب حضرت ابو موسیٰؓ اپنی تقریر ختم کر چکے تو حضرت امام حسنؓ آگے بڑھے اور السلام علیکم کہہ کر ان سے فرمایا کہ آپ نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا ہے اگر آپ اپنی اس رائے پر قائم رہنے کا عہد کر چکے ہیں تو ہمیں بھی کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ حضرت ابو موسیٰؓ فوراً منبر سے نیچے اتر آئے اور حضرت حسنؓ نے کوفہ کے ایک سرکردہ شخص قعقاع بن عمر کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر حاضرین سے خطاب کریں۔ قعقاع نے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

"اے اہل کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنی تقریر میں جو باتیں کہیں وہ غلط نہیں ہیں لیکن اس پر بھی غور کرو کہ کیا ان باتوں سے زیادہ ضروری نظام خلافت کا قیام و استحکام نہیں ہے؟ اگر مرکز اور خلیفہ ہی موجود نہ ہو یا اگر موجود ہو لیکن اسے استحکام نہ ہو تو ظالم سے انتقام کیونکر لیا جا سکتا ہے، اور مظلوم کی مدد کیسے کی جا سکتی ہے۔ اس طرح تو امن و امان اور نظم مملکت بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا ہے وہ تمہیں اصلاح کی جانب بلا رہے ہیں۔ تمہیں ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے صدق دل سے ان کی تائید و نصرت کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے۔"

قعقاع کے بعد حضرت امام حسنؓ نے شہرہ آفاق فیاض حاتم طائی کے بیٹے عدی کو اور پھر حجر بن عدی کو کھڑا کیا۔ ان لوگوں نے بھی بڑی مدلل اور جوشیلی تقریریں کیں۔ آخر میں حضرت امام حسنؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو حضرت علیؓ کی امداد پر آمادہ کرنے کے لئے حسب ذیل تقریر کی۔

"اے لوگو حضرت علیؓ بن ابی طالب تمہارے ہادی اور امام ہیں جن کے خلاف باغی لوگ صف آرا ہوگئے ہیں اور اس خلیفۂ برحق کے درپے آزار ہیں، یہ علی الاعلان گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں امام وقت کی بیعت تم پر واجب ہے اور اس کی اطاعت کرنا تمہارے لئے فرض ہے، اس لئے کمر باندھو اور اس کی امداد کے لئے روانہ ہوجاؤ، ایک دوسرے کا انتظار نہ کرو، ہر شخص اپنے اپنے فعل کا ذمہ دار ہے۔"

حضرت حسنؓ اور آپ کے رفقاء کی یہ تقریریں بہت موثر ثابت ہوئیں۔ حضرت امام حسنؓ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور لوگ جوق درجوق ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابوموسیٰؓ مسجد سے اٹھے اور اپنے گھر جاکر خانہ نشین ہوگئے

اور حضرت امام حسنؓ ساڑھے نو ہزار کوفیوں کا لشکر جرار لے کر ذی وقار کی طرف روانہ ہو گئے جہاں حضرت علیؓ مقیم تھے۔ (اخبار الطوال صـ۱۵۴)

اس لشکر نے حضرت علیؓ کی قیادت میں بڑی بے جگری سے جنگ کی اور حضرت عائشہؓ کے لشکر کو شکست دی۔ اس جنگ میں بھی حضرت امام حسنؓ نے نمایاں حصہ لیا اور بڑی بہادری سے ایک دستے کی قیادت کی۔ جنگ جمل کے بعد جب صفین کا معرکہ گرم ہوا تو اس معرکے میں بھی آپ نے اپنے پدر گرامیؓ کے ہمرکاب داد شجاعت دی۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اس جنگ میں آپ امدادی دستے کے قائد تھے اور جس محاذ فوج علوی میں کمزوری کے آثار ظاہر ہونے لگتے آپ اپنے دستے کو لے کر برق و باراں کی طرح اس طرف جھپٹتے تھے اور اس شدت سے حملہ کرتے تھے کہ دشمن کا لشکر شکست کھا کر فرار ہو جاتا تھا۔ جنگ صفین کے بعد جنگ نہروان میں بھی آپ نے حصہ لیا اور اس جنگ میں بھی کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

خلافت علوی میں آپ کی ذمہ داریاں

حضرت امام حسنؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں حضرت علیؓ کو بھی ان کا پوری طرح اندازہ تھا۔ چنانچہ آپ نے ملک کے

ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا اور اپنے عہد خلافت میں انہیں مختلف مناصب پر فائز کیا۔ اس عہد میں جو ذمہ داریاں آپ کے سپرد کی گئی تھیں ان میں سے چار ذمہ داریوں کے متعلق تاریخ سے روشنی پڑتی ہے۔

پہلی ذمہ داری قضا سے متعلق تھی اور موجودہ اصلاح میں آپ کو چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کہنا چاہیئے یعنی سلطنت کے مختلف علاقوں کے قاضیوں کی عدالتوں میں جو مقدمات پیش ہوتے تھے اور اہل مقدمہ ان کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں کرتے تھے ان تمام اپیلوں کی سماعت حضرت امام حسنؓ کے ذمہ تھی۔ اور آپ کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوتا تھا۔ اس منصب کی ذمہ داریوں کو آپ نے جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ آپ کے فیصلوں پر حضرت علیؓ نے ہمیشہ اطمینان کا اظہار کیا۔ اور ایک بار فرمایا کہ جس طرح حسنؓ فیصلے کرتا ہے اس طرح کے فیصلے سوائے میرے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

آپ کی دوسری ذمہ داری گورنروں، محکمہ مال کے افسروں اور ضلعی حکام کے طور طریقوں کی نگرانی کرنا تھی۔ مملکت کے مختلف علاقوں سے حکام کے خلاف جو شکایتیں موصول ہوتی تھیں ان کی تحقیقات ہی کے لئے آپ ہی کمیشن مقرر فرماتے تھے اور تحقیقاتی رپورٹ پر مناسب کرتے تھے۔ بعض امور کی جانچ پڑتال آپ بذات خود فرماتے۔

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیے ان علاقوں میں بھی جاتے تھے جہاں یہ شکائتیں پیدا ہوتی تھیں۔

" آپ کی تیسری ذمہ داری مرکزی وزیر مال کی تھی۔ بیت المال آپ ہی کی تحویل میں رہتا تھا۔ آپ ہی کی زیر نگرانی انصار و مہاجرین اور تمام مسلمانوں کو ان کے وظائف تقسیم کئے جاتے تھے۔ دوسرے صوبوں سے خراج کی جو رقوم وصول ہوتی تھیں بیت المال کا عملہ آپ ہی کی زیر نگرانی ان کا حساب کتاب رکھتا تھا۔

آپ کی چوتھی حیثیت افسر مہمان نوازی کی تھی ممالک غیر اور اندرون ملک کے جو سرکاری اور غیر سرکاری وفود حضرت علیؓ کے پاس آتے تھے۔ ان کے قیام و طعام اور آرام و آسائش کا انتظام آپ ہی کے ذمہ تھا۔

حضرت امام حسنؓ نے ان فرائض کو نہایت جانفشانی اور کمال درجہ کی قابلیت سے ادا کیا اور حضرت علیؓ کے پورے پانچ سالہ عہد خلافت میں ان کے مشیر کار اور دست و بازو بنے رہے۔ حضرت امام حسنؓ کی ان گراں قدر خدمات کی وجہ سے حضرت علیؓ ان سے خوش تھے اور یوں بھی واقعات و حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد میں اپنے بڑے فرزند سے زیادہ محبت فرماتے

تھے۔ وقتاً فوقتاً انہیں ملکی اور انتظامی باریکیوں سے آگاہ کرتے اور مفید نصائح فرماتے رہتے۔ اس سلسلے میں آپ کا وہ تاریخی وصیت نامہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جو آپ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں حضرت امام حسنؓ کے نام تحریر فرمایا تھا۔ اس وقت آپ امورِ مملکت کی انجام دہی کے سلسلے میں کوفہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ چونکہ اس وصیت نامے کے مخاطب حضرت امام حسنؓ ہیں اور یہ کتاب آپ ہی کی ذات گرامی سے متعلق ہے۔ اس لئے اس کا یہاں درج کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ یہ وصیت نامہ اخلاقی نکات، رموز معارف، تجارب دنیا۔ اسرار حکمت اور تعلق باللہ کے لحاظ سے حضرت علیؓ کا شاہکار ہے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ارشادات رسولؐ کے علاوہ اسلامی لٹریچر کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

علیؓ بنام حسنؓ

"اے میرے بیٹے! گردش ایام، بے مہری دنیا اور قرب آخرت نے مجھے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب عقبیٰ کی زندگی کے متعلق فکر و تردد میرا دامن گیر ہے۔ اب مجھے ہر لمحہ اپنی آخرت کا خیال رہتا ہے۔ سارے پست و بلند میری نگاہوں کے سامنے

ہیں۔حقائق سے پردے اٹھ چکے ہیں۔سچا معاملہ پیش لگا ہے پس
یہی وجہ ہے کہ تیرے لئے میں نے یہ وصیت لکھی ہے۔ خواہ میں بقید
حیات رہوں یا وفات پا جاؤں۔میرے اور تیرے درمیان کوئی
فرق نہیں ہے تو میری روحِ حیات ہے۔ اگر تجھ پر کوئی مصیبت پڑے
تو پہلے مجھ پر نازل ہوگی۔تیری موت تیری موت نہیں میری موت ہوگی۔
میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ سے ڈرتا رہا کر۔اس کی
ہدایت پر عمل پیرا رہا کر۔ اپنے دل کی دنیا کو ذکر الٰہی سے آباد رکھا کر۔
خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھ کہ اگر تو غور کرے تو تیرے اور
تیرے خدا کے درمیان جو رشتہ ہے اس سے زیادہ مضبوط رشتہ اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ وعظ و نصیحت سے اپنے دل کو زندگی بخش۔ اور
زاہدانہ قوتوں سے "اسے (یعنی اس کی نفسانی" اور ناجائز خواہشوں
کو ہلاک کر دے۔ یقین سے اسے تقویت دے۔شمع حکمت سے اسے
منور کر۔موت کا ذکر کر کے اسے قابو میں لا۔اس سے فنا ہو جانے کا
اقرار کرا۔ یاد آلام سے اسے جھنجھوڑ۔نیرنگی عالم سے اسے خوفزدہ کر۔
دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کے واقعات اسے سنایا کر۔پچھلوں
کی بربادیوں کا ذکر کر کے اسے آمادۂ عبرت کر۔ان کی تباہ شدہ بستیوں
سے گزر اور ان کے کھنڈرات دیکھ کر اپنے دل سے پوچھ کر یہ لوگ کیا

کرتے تھے۔ کدھر گئے اور اب کہاں ہیں؟ اس طریقے سے تجھ پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ وہ دوستوں اور عزیزوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور ویرانوں کو اپنا مسکن بنا لیا اور تو بھی چند روز میں اُن کے زمرے میں شامل ہو جائے گا۔ پس اپنی اصلاح کر۔ دنیا کے عوض آخرت کا سودا نہ کر۔ جس امر کے متعلق تجھے علم نہ ہو اس کے بارے میں خاموشی اختیار کر۔ لایعنی اور فضول گفتگو سے اجتناب کر۔ جس راستے میں گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہو اسے اختیار نہ کر کہ مصائب و آلام میں مبتلا ہو جانے سے اچھا ہے کہ قدم اٹھایا ہی نہ جائے۔ نیکیوں کی تلقین کرتا رہا کر تاکہ تیرا شمار نیکو کاروں میں ہو۔ بدی سے اپنے ہاتھ اور زبان دونوں کو روک، بروں سے کنارہ کشی اختیار کر۔ راہِ خدا میں اس طرح جہاد کر کہ جہاد کرنے کا حق ادا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کر۔ حق کی خاطر مصائب و آلام کے طوفانوں میں کود جا۔ دین میں بصیرت پیدا کر۔ ناپسندیدہ امور برداشت کرنے کی عادت ڈال۔ قوتِ برداشت انسانی قوتوں میں سب سے بہتر ہے۔ سارے کاموں میں اللہ تعالیٰ کو جائے پناہ بنا اس طریقہ سے تو ایسی پناہ گاہ میں چلا جائے گا اور ایسے مستحکم قلعے میں آجائے گا جس کی تسخیر ناممکن ہے۔ سوائے خدا کے

اور کسی سے نہ مانگ کہ عطا فرمانا اور محروم رکھنا سب اُسی کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ بکثرت استخارہ کیا کر۔ میری وصیت پر خوب غور و فکر کر۔ اسے پسِ پشت نہ ڈال کہ صحیح بات وہی ہوتی ہے جس سے فائدہ پہنچے۔ ایسا علم جو آدمی کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے کسی کام کا نہیں اور نہ اس کی تحصیل مناسب ہے۔

اے میرے بیٹے!

یہ محسوس کرتے ہوئے کہ میں عمر کی آخری منزل میں پہنچ گیا ہوں اور جسمانی کمزوری ظاہر ہونے لگی ہے۔ میں نے یہ وصیت لکھنے میں عجلت سے کام لیا کیونکہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبل اس کے کہ میں وصیت تحریر کروں موت مجھے آلے یا بدن کی طرح عقل بھی ضعیف ہو جائے یا تو مغلوبِ نفس ہو جائے۔ دنیوی خواہشات تیرا احاطہ کر لیں اور تو سرکش گھوڑے کی طرح بے قابو ہو جائے۔ نوجوان لوگوں کے قلب کی کیفیت ہل چلائی ہوئی زمین کی سی ہوتی ہے جو ہر قسم کے بیج کو لے لیتی ہے پس یہ وجہ تھی کہ میں نے نہایت عجلت سے یہ وصیت لکھدی تاکہ قبل اس کے کہ دل سخت ہو جائے اور ذہن کسی اور جانب مائل ہو تو ان معاملات سے آگاہ ہو جائے جن تجربات و تحقیق کی جستجوؤں میں سے تیرے پیش رو گذرے اور

انہوں نے اس راستے کی دشواریوں اور تلخ کامیوں سے تجھے دوچار نہیں ہونے دیا اور اب وہ چیز تجھے کسی قسم کی تکلیف برداشت کئے بغیر مل رہی ہے جس کی تلاش میں ہمیں سرگرداں ہونا پڑا اور اب وہ چیزیں بھی تیرے روبرو آنے والی ہیں جنہیں خود ہم بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اے میرے بیٹے!

میں اتنی طویل عمر تو پا نہیں سکتا جتنی پچھلے لوگوں کی ہوتی تھی لیکن ان کی زندگی کے واقعات پر غور و فکر کرتا رہا ہوں۔ ان کی تلاش میں ان کے پیچھے گیا ہوں اور اب میں انہیں کے زمرے میں شامل ہو گیا ہوں۔ میں نے ان کی زندگی کے واقعات سے اس قدر آگاہی حاصل کی ہے کہ یوں سمجھ لے جیسے میں ان معمر لوگوں کا ہم عمر ہو گیا ہوں۔ اس طرح اس دنیا کا تلخ و شیریں سیاہ و سپید اور نفع و نقصان مجھ پر آشکارا ہو گیا ہے۔ ان میں سے جو چیز مجھے سب سے بہتر نظر آئی ہے وہ میں نے تیرے پسند کر لی اور اس شئے کا تیرے لئے انتخاب کر لیا جو خوبصورت تھی۔ میں نے ہر خراب اور بے فائدہ چیز کو تجھ سے دور کر دیا۔ میں تجھے ویسا ہی عزیز رکھتا ہوں جیسا ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کو عزیز از جان رکھتا ہے۔ اس لئے میں نے

یہ وصیت ایسی حالت میں لکھنی پسند کی جب تو خورد سال ہے۔ تازہ وارد بزم آب و گل ہے، سلیم الطبع اور پاکیزہ نفس ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اس وصیت نامے میں قرآن حکیم کی تفسیر شرع کے مسائل اور حرام و حلال کی باریکیوں کے متعلق روشنی ڈالوں لیکن مجھے یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح تو شبہات میں پڑ جائے جس طرح بعض نفس کے بندے مرضِ تشکیک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ پس اس خیال کے پیش نظر میں نے یہ وصیت لکھدی ہو سکتا ہے کہ یہ وصیت تجھ پر گراں گزرے لیکن تجھ پر گران گزرنا مجھے گوارا ہے مگر یہ گوارا نہیں کہ تجھے تباہی کے راستے پر یکہ و تنہا چھوڑ جاؤں۔ خدا کی ذات سے مجھے امید ہے کہ وہ اس وصیت نامے کو تیرے لئے باعث ہدایت بنائے گا۔ اور تجھے راہ راست پر گامزن کر دے گا۔

اے میرے بیٹے!

اگر تیری کوئی بات میرے لئے باعث مسرت ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ تو خدا سے ڈرے اور خدا تعالےٰ نے جو فرائض تیرے ذمہ عائد کئے ہیں انہیں ادا کرنے میں تجھ سے تساہل نہ ہو۔ اپنے آباؤ اجداد اور خاندان کے بزرگوں کا طریق کار اختیار کر کہ آج جس منزل

ہیں تو ہے کبھی وہ بھی اس منزل سے گذرے تھے اور جس طرح تو تفکر کرتا ہے وہ بھی کیا کرتے تھے۔ پھر دنیا کے تجربات نے انہیں راہِ راست پر ڈال دیا اور وہ بے کار باتوں سے کنارہ کش ہونے پر مجبور ہو گئے لیکن اگر تو اپنے اسلاف اور اجداد کے ان تجربات سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ نہ ہو اور خود اس تجرباتی دنیا سے گذرنے کی امنگ ہو تو اس کا آغاز کر دے لیکن عقل و خرد کا دامن پکڑ کر، شکوک اور کج بحثی و نادانی کے ساتھ نہیں۔ اس کا آغاز کرنے سے پہلے بارگاہ الہٰی سے امداد و نصرت طلب کر اور اس کارِ مشکل میں کامیابی حاصل کرنے کی توفیق مانگ۔ شکوک خواہ کسی قسم کے ہوں ان سے بچنے کی کوشش کر کیونکہ شکوک میں مبتلا ہو کر تو راہِ راست سے بھٹک جائے گا جب تک تجھے اس امر کا یقین نہ آجائے کہ تیرا قلب ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو کر تیرے قابو میں آگیا ہے تیری عقل میں پختگی اور ٹھیراؤ آگیا ہے اور تیرا ذہنی انتشار دور ہو گیا ہے اس وقت تک اس منزل میں گامزن نہ ہونا ورنہ اندیشہ ہے کہ تو اس راستے کی تاریکی میں ٹامک ٹوئیے نہ مارتا پھرے۔ یاد رکھ کہ متلاشیانِ حق نہ تو ٹامک ٹوئیے مارتے ہیں اور نہ استعجاب میں گم ہوتے ہیں۔ اس حالت میں مبتلا ہونے سے کہیں اچھا ہے کہ آدمی یہ راستہ اختیار ہی نہ کرے،

اے میرے بیٹے!

میری وصیت پر اچھی طرح غور کر اور اس حقیقت کا ادراک کر لے کہ جو موت وارد کرتا ہے۔ وہی زندگی بھی بخشتا ہے جو پیدا کرتا ہے وہی مارتا بھی ہے، فنا کرنے والا ہی زندگی سے ہمکنار بھی کرتا ہے۔ جو امتحان لینے کے لئے مصائب و آلام میں مبتلا کرتا ہے وہ ان مصیبتوں سے رستگاری بھی عطا فرماتا ہے۔ اپنے قلب کو اس یقین سے معمور کر لے کہ نظام کائنات اللہ تعالیٰ کے ایک مقررہ قانون پر قائم ہے، جس کے تحت انسان انعامات سے بھی سرفراز کیا جاتا ہے اور اسے آزمائشوں میں بھی ڈالا جاتا ہے اور پھر عقبیٰ میں اسے جزا بھی ملتی ہے جس (کی تفصیلات) سے ہم بے خبر ہیں۔ اگر کوئی بات تجھے خلافِ عقل معلوم ہو تو جلدی سے اس کا انکار نہ کرنا بلکہ یہ سمجھ کہ تیرے فہم کا قصور ہے اور اس کے بارے میں پھر سوچ۔ کیا تو نہیں جانتا کہ پیدائش کے وقت تو بے علم تھا۔ تو نے یہ علم رفتہ رفتہ حاصل کیا اور بے شمار باتیں ابھی تک تیرے احاطۂ علم و خبر سے باہر ہیں، اور تجھے حیرت میں ڈال دینے والی ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن میں (اوّل اوّل) تیری نگاہ کام نہیں کر سکتی۔ پھر جب تو مزید غور و فکر کرتا ہے تو ان کی حقیقت تیرے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے اِس لئے اُس

ہستی سے اپنا تعلق قائم رکھ جو تیری خالق ہے۔ رازق ہے اور جس نے تیری تخلیق کو درجۂ تکمیل تک پہونچایا تو اپنی عبادت کو اسی کے لیے مخصوص کردے۔ اُسی کی بارگاہ میں سرِ عبودیت خم کر اور اپنے دل کو اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رکھ۔

اے میرے بیٹے!

ہستی باری تعالےٰ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آگاہی بخشی ہے ایسی آگاہی اور کسی نے نہیں دی اس لیے آنحضورؐ کو اپنا رہبر اور نجات دہندہ بنا۔ میں نے تجھے نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ہے۔ یاد رکھ کہ اپنی فلاح و بہبود کے بارے میں تو جتنا چاہے غور کرے لیکن اتنا غور نہیں کر سکتا جتنا تیرے بارے میں خود میں غور کرتا ہوں۔

اے میرے بیٹے!

اگر تیرے رب کی ربوبیت اور اس کے کاموں میں کوئی اور شریک ہوتا تو اس کی طرف سے بھی رسول بھیجے جاتے اس کی بھی حکومت ہوتی اور اس کی سلطنت کے آثار و اخبار کا نشان ملتا۔ اس کے افعال اور اس کی صفات مشاہدے میں آتیں مگر ایسا نہیں ہے۔ صرف ایک ہی خدا ہے اور خود اس کا بھی اپنے بارے میں

یہی ارشاد ہے۔ اس کی سلطنت و حکومت بغیر کسی شریک کے قائم ہے وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا۔ اوّل بھی وہی ہے اور آخر بھی وہی ہے مگر نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ آخر۔ ہمارے قلب و نظر اس کی شانِ ربوبیت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس عالی شان کی شان اس سے بہت ارفع ہے۔ اس لئے تو اس کم حیثیت اور بے مقدور شخص کی طرح اعمال بجا لا جو اپنے رب العالمین کی فرماں برداری کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اس کی سزا کے خوف سے اور اس کے غضب سے کانپتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے کرم کا بے حد و حساب محتاج سمجھتا ہے، اس بات کو نہ بھول کہ تیرے رب نے تجھے نیک باتیں اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور بدیوں سے رکنے کا حکم دیا ہے۔

اے میرے بیٹے!

میں نے تیرے سامنے دنیا کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اس کا احوال بیان کر دیا ہے۔ اس کے کمزور اور بے وفا ہونے کی اطلاع دیدی ہے۔ عقبیٰ کی کیفیت سے بھی آگاہ کر دیا ہے اور اس کے لذائذ والغامات سے بھی تجھے مطلع کر دیا ہے اور مثالوں کے ذریعہ تجھ پر حقیقت واضح کر دی ہے تاکہ تو ان باتوں سے عبرت پکڑے

اور ان پر عمل کرے ۔ وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے انہیں اس کے چھوڑنے سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی ایسے لوگ اس قوم کے مشابہ ہیں جو خشک سالی کے مارے ہوئے علاقہ سے نقلِ مکانی کر کے سرسبز و شاداب وادی کی طرف جا رہی ہے ۔ یہ لوگ راستے کی صعوبتیں اور عزیزوں کی مفارقت اس لئے برداشت کرتے ہیں تاکہ وہ ایک ایسے وسیع علاقے میں داخل ہوں جہاں ان کے لئے ہر قسم کا آرام موجود ہے وہ راستے کے مصائب کی پرواہ نہیں کرتے ۔ خرچ کرنے سے پہلوتہی نہیں کرتے وہ اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے جانے کو محبوب رکھتے ہیں ۔ لیکن وہ لوگ جو دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی مفارقت گوارا نہیں ہے ۔ یہ ان لوگوں کے مشابہ ہیں جو زرخیز وادی کو چھوڑ کر چٹیل اور خشک سالی کے مارے ہوئے علاقے کی طرف رواں دواں ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک بڑے سفر پر نکلے ہیں ۔ ان کے حق میں یہ سفر سوہانِ روح ثابت ہوگا ۔ ان لوگوں کے نزدیک پہلی منزل کی مفارقت اور اس نئی منزل میں داخلہ ایک بہت بڑی آفت ہوگی ۔

اے میرے بیٹے !

دوسروں کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے اپنے اور ان کے

درمیان اپنی ذات کو پیمانہ بنا اور جو چیز تو اپنے حق میں پسندیدہ سمجھتا ہے اسے ان کے لئے بھی پسند کر اور جو چیز تجھے اپنے لئے پسند نہیں وہ ان کے لئے بھی پسند نہ کر۔ کسی کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہ کر کہ تو نہیں چاہتا کہ تجھ پر ظلم کیا جائے۔ تو بھی اسی طرح سب کے ساتھ اچھا سلوک کر، جس طرح تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھ سے حسن سلوک کا مظاہرہ کریں۔ تجھے دوسروں کی جو باتیں پسند نہیں آتی ہیں اگر وہی باتیں تجھ سے سرزد ہوں تو تو انہیں بھی ناپسند کر۔ اگر تیرے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو تو دوسروں کے ساتھ کرتا ہے تو اس سلوک کو درست جان علم کے بغیر کوئی بات نہ کر۔ . . . . . اور دوسروں کے لئے وہ کلمہ کہنے سے گریز کر کہ اگر تیرے حق میں کہا جائے تو تجھے پسند نہ آئے۔ خود پسندی بیوقوفی ہے اور یہ انسان کے نفس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اس لئے ایسا راستہ اختیار کر جس سے تیرا ایمان سلامت رہے۔ اپنی دولت پر خزانچی بن کر نہ بیٹھ کہ تیرے بعد دوسرے اسے بے دریغ ضائع کر دیں۔ اور جب تجھے اللہ تعالیٰ سے ہدایت نصیب ہو جائے تو صرف اسی سے ڈرتا رہا کر۔ تجھے ایسے سفر پر جانا ہے جس کی مسافت بڑی طویل ہے اور جس کا راستہ بڑا کٹھن ہے۔ یہ سفر طے کرنے کے لئے حسنِ طلب بڑی چیز ہے خیال رکھ

کہ یہ سفر طے کرتے ہوئے تیرا زادراہ اتنا زیادہ بھی نہ ہو جائے کہ تیری قوت اسے اٹھا کر چلنے سے جواب دے دے۔ اگر اپنی قوت سے زیادہ بوجھ اٹھائے گا تو یہ تیرے لئے بلائے بے درماں ہو کر رہ جائے گا اس لئے اگر تجھے ایسے مزدور مل جائیں جو تیری زاد راہ اٹھا لینے کے لئے تیار ہوں تو یہ بوجھ ان کی پیٹھ پر رکھ دے تاکہ جب تجھے ضرورت آگھیرے تو اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں تجھ سے قرض مانگے جب تو مالدار ہو تو اسے قرض دے دے تاکہ جب تنگدستی کا زمانہ آئے تو وہ تیرے کام آسکے۔ تجھے ایک دشوار گزار منزل سے گزرنا ہے، یہ وہ منزل ہے جس میں بوجھل شخص سے ہلکا پھلکا شخص اور ٹھہر ٹھہر کر قدم اٹھانے والے شخص سے تیز رو شخص بہتر ہے۔ تجھے اس منزل سے ضرور گزرنا پڑے گا۔ اس کے بعد دو ہی چیزیں ہیں جنت یا دوزخ اس لئے اس منزل پر پڑاؤ کرنے سے قبل ہی اپنا سامان بھیج دے اور قرار ہکڑنے سے پیشتر جائے قرار کو درست کر لے۔ کیونکہ پیک اجل آجانے کے بعد نہ عذر تلاش کرنے کا موقع ہوگا اور نہ تو دنیا میں واپس آسکے گا۔ یاد رکھ کہ جس ہستی کے قبضہ میں زمین اور آسمانوں کے خزانے ہیں اس نے دستِ طلب پھیلانے کی اجازت عطا فرمائی ہے

اور دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے، اس لئے فرمایا ہے کہ مانگنے والوں کو عطا کیا جائے گا اور جو لوگ طالبِ رحم ہیں ان کے ساتھ رحم کا معاملہ کیا جائے گا۔ اس نے اپنے اور تیرے درمیان حاجبوں کو روک بنا کر کھڑا نہیں کیا، نہ سفارش کرنے والوں کو واسطہ بنایا ہے۔ جب تو اپنی توبہ توڑ دیتا ہے تو پھر بھی وہ تجھے محروم نہیں کرتا ہے اور نہ بدلہ لیتا ہے اور جب تو پھر اس کی طرف جھکتا ہے تو وہ تجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بھی نہیں بناتا ہے اور پردہ دری بھی نہیں کرتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ ایسا کرتا تو اپنے اعمال کی وجہ سے تو اسی قابل تھا وہ بغیر ردّ و کد کے تیری توبہ قبول کر لیتا ہے اور اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا۔ وہ تو توبہ کر لینے کو بھی نیکیوں میں شمار کرتا ہے۔ ایک بدی اس کے حساب میں ایک ہی رہتی ہے مگر ایک نیکی کو وہ مہربان و مشفق دس گنتا ہے۔ بابِ توبہ اس لئے وا کر دیا ہے تو اسے آواز دیتا ہے تو وہ تیری آواز سنتا ہے تو اسے یاد کرتا ہے اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہے تو وہ تیری جانب متوجہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے اپنی آرزوئیں بیان کرتا ہے، اپنی مصیبتوں کی کہانیاں سناتا ہے اس سے فریاد کرتا ہے۔ اُسے مشکل کشائی کے لئے پکارتا ہے، اس سے درازئ عمر، صحتِ جسم اور فراخئ رزق کی درخواست

کرتا ہے اور وہ خزائنِ رحمت مانگتا ہے جن کا دینا سوائے اس کے اور کسی کے اختیار میں نہیں ۔

ذرا سوچ تو کہ اس نے یہ فرما کر کہ مانگ جو مانگنا چاہتا ہے " اپنی رحمتوں کے خزینوں کی کنجیاں تجھے عنایت کر دیں تاکہ جس وقت دل چاہے تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر اس کی رحمتوں کے دروازے کھلوا لے اور رحمتوں کے بادل برسوا لے لیکن ایک بات یاد رکھ کہ اگر کسی وقت قبولیتِ دعا میں تاخیر ہو جائے تو اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا کہ دعا اس وقت تک قبول نہیں ہو سکتی جب تک نیت درست نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ قبولیتِ دعا میں اس لئے تاخیر کر دی جاتی ہے کہ مانگنے والے کو زیادہ ثواب دینا مقصود ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مانگنے والے کو (وقتی طور پر) محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس کے لئے محروم ہی رہنا اچھا ہوتا ہے کیونکہ بہت سی آرزوئیں ایسی بھی ہیں جو اگر پوری ہو جائیں تو انسان عقبیٰ میں روسیاہ ہو جائے اس لئے تو ان چیزوں کے حصول کے لئے دعا مانگا کر جو تیرے لئے مفید ہوں اور خدا تعالےٰ ان چیزوں کو تجھ سے دور رکھے جو تیرے لئے نقصان کا موجب ہیں۔ یاد رکھ کہ سیم و زر اتنی بڑی چیز نہیں ہے۔ تو مال

کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ مال تیرے لئے پیدا کیا گیا ہے،
تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ تجھے آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے،
دنیا کے لئے نہیں، تجھے فنا ہو جانے کے لئے بنایا گیا ہے ہمیشہ باقی
رکھنے کے لئے نہیں۔ تو ایک متزلزل مقام پر کھڑا ہے پس تو کہیں نہیں
جا سکتا۔ آخر کار تجھے لقمۂ اجل بننا پڑے گا اس لئے غافل مت رہ کہیں
ایسا نہ ہو کہ تو توبہ کرنے کے ارادے ہی کرتا رہے اور موت آ کھڑی
ہو جائے۔ اگر ایسی صورت پیش آگئی تو سمجھ لے کہ تو نے خود کو ہلاکت
میں ڈال دیا۔

اے میرے بیٹے!

نہ موت کی طرف سے غافل ہو نہ عمل کی طرف سے اور نہ
موت کے بعد کی کیفیت کی طرف سے تاکہ جب اللہ تعالےٰ
کی طرف سے بلاوا آجائے تو تو پہلے ہی سے اس اچانک
بلاوے کو سننے کے لئے تیاری کر چکا ہو اور روانگی کا سامان
درست ہو۔ جو لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تو ان
کے ساتھ مقابلے کر کے اپنے آپ کو فریب میں مبتلا نہ کر لینا۔
اللہ تعالےٰ نے دنیا کی (نا پائیداری کی) حقیقت پر سے پردے
اٹھا دیئے ہیں۔ خود دنیا بھی اپنے فانی ہونے کا اعلان کر رہی ہے

اور اس نے اپنی آلودگیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ دنیا کے پیچھے پڑے رہنے والے لوگ تو ان کتوں اور درندوں کی طرح ہیں جو ایک دوسرے پر بھونکتے ہیں۔ غرانے اور پھاڑ کھانے کے لئے دوڑتے ہیں۔ یہاں قوی ناتوانوں کو لقمہ بنا لیتے ہیں اور بڑے چھوٹوں کو کھا جاتے ہیں، ان میں کچھ ان اونٹوں کی مانند ہیں جو پالتو ہونے کی وجہ سے نقصان نہیں کر سکتے اور کچھ ان اونٹوں کی طرح ہیں جو شتر بے مہار ہونے کی وجہ سے ہر طرف منہ مارتے پھرتے ہیں۔ ان کی عقلیں جاتی رہی ہیں۔ یہ ایسے راستوں پر گامزن ہیں جن سے واقف ہی نہیں ہیں۔ یہ ایسی اونچی وادیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں جو آفتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان وادیوں میں مصائب و آلام ہی ان کی غذا ہیں۔ ان کا کوئی چرواہا اور محافظ نہیں ہے دنیا کی محبت انہیں اندھیرے راستوں میں پھرا رہی ہے ان کی آنکھیں منارۂ نور کو دیکھنے سے معذور ہیں یہ دنیا کی نیرنگیوں میں پھنسے ہوئے ہیں، اس کی لذتوں نے انہیں اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ اسی کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ دنیا ان کے ساتھ اور یہ دنیا کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ وائے بہر حال کہ ان لوگوں نے اس زندگی کو بھلا دیا جو انہیں در پیش آنے والی ہے۔

وقت قریب ہے جب تاریکی کے پردے اٹھ جائیں گے اور کارواں اپنی منزل سے ہم کنار ہو جائے گا جو شخص زمانے کے

مرکب پر سوار ہے۔ وہ تو سفر میں ہے خواہ وہ کہیں کھڑا ہوا ہو اور وہ بھی مسافر ہے جو آرام سے کسی جگہ قیام کر چکا ہو۔

یاد رکھ کہ تیری ساری خواہشیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ وقت مقررہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو بھی اسی راستے پر رواں دواں ہے جس پر تیرے پیش رو گامزن ہو چکے ہیں، اس لئے اپنی خواہشات کو حد اعتدال میں رکھ۔ کسب معاش میں سلامتی کا راستہ اختیار کر۔ خوب سمجھ لے کہ بعض خواہش انسان کو محروم النعمت کر دیتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر طالب کو مل ہی جائے، اور ہر وہ شخص جو ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے محروم ہی رہے۔ اپنے آپ کو ہر ذلت سے محفوظ رکھ خواہ وہ تجھے تیری کیسی ہی پسندیدہ چیزوں کی طرف مائل کرے۔ یاد رکھ عزت ایسی چیز ہے جس کی قیمت لگائی ہی نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالےٰ نے تیری تخلیق مرد آزاد کی حیثیت سے کی ہے اس لئے اپنے آپ کو دوسروں کی غلامی پر آمادہ نہ کر۔ جو اچھائی برائی کے راستے سے آئے وہ اچھائی نہیں ہو سکتی اور جو دولت ذلت کے راستے سے حاصل ہو وہ دولت نہیں ہو سکتی۔

دیکھو! حرص و ہوس میں مبتلا ہو کر ہلاکت کے کنارے پر نہ پہنچ جانا۔ کوشش کر کہ تیرے اور تیرے خدا کے درمیان کسی کا احسان

روک بن کر نہ کھڑا ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ نے تیرے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ تو بہر حال تجھے مل ہی جائے گا۔ خالق کی طرف سے اگر تھوڑا سا بھی ملے تو اسے مخلوق کی طرف سے دئیے جانے والے بہت سے کے مقابلے میں زیادہ سمجھ۔ گو مخلوق کو جو کچھ دیا ہے خالق ہی نے دیا ہے۔

یاد رکھ، خاموشی کی بنا پر آنے والی مصیبت دور ہو سکتی ہے لیکن رہوارِ زبان کو آزاد چھوڑ دینے سے جو خرابی رونما ہوتی ہے اس کا مداوا بہت مشکل ہوتا ہے، کیا تیرے مشاہدے میں نہیں آیا کہ پانی اس وقت تک نہیں رکتا جب تک مشک کا منہ نہ باندھ دیا جائے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی اپنا مال احتیاط سے خرچ کرے۔ مانگنے سے جو ندامت ہوتی ہے اس سے تہی دستی کی مایوسی کہیں اچھی ہے۔ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے سے وہ مشقت اچھی ہے جس کے نتیجے میں عزت کے ساتھ دو روٹیاں میسر آجائیں۔ راز اسی وقت تک راز رہتا ہے جب تک آدمی اسے خود ہی پوشیدہ رکھے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہ ایک شخص (اپنا راز فاش کر کے) اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مار لیتا ہے۔ جو شخص زیادہ بولتا ہے اس سے بہت زیادہ غلطیاں

سرزد ہوتی ہیں۔ نیکوں کی صحبت میں بیٹھا کر تو بھی نیک ہو جائے گا برُوں کی صحبت سے اجتناب کرنا بدی سے اجتناب کرنا ہے۔ سب سے برا کھانا حرام کھانا ہے۔ سب سے بڑا ظلم وہ ہے جو کمزوروں پر کیا جائے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیماری دوا اور دوا بیماری بن جاتی ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ خیر خواہ سے بدخواہی کا اور بد خواہ سے خیر خواہی کا فعل سرزد ہوتا ہے۔ غیر یقینی چیزوں پر اعتماد نہ کر کہ یہ مُردوں کے بھروسہ کرنے کی چیزیں ہیں۔ تجربات سے فائدہ اٹھانے کا نام عقل ہے۔ سب سے اچھا تجربہ وہ ہے جس سے سبق حاصل ہو موقع ہمیشہ تیرے موافق نہیں ہوتا اس لئے قبل اس سے کہ یہ تیرے ہاتھ سے جاتا رہے اس سے فائدہ اٹھالے ہر جدوجہد کرنے والے شخص کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کامیاب ہی ہو۔ ہر وہ شخص جو چلا جاتا ہے واپس نہیں آتا۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اپنا مال گنوا دیا جائے اور اپنی عاقبت خراب کر لی جائے۔ ہر شخص کو جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے پس تقدیر کا لکھا ہوا ظہور میں آکر رہے گا خواہ جلد ہو یا بدیر۔ تجارت کرنے والا ایک لحاظ سے جوا کھیلتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلیل کثیر سے زیادہ۔ بابرکت ثابت ہوتا ہے۔ اس شخص کی امداد جو تجھے رسوا

کرنے کے درپے رہتا ہے اور اس شخص کی دوستی جو تجھ سے بدظنی رکھتا ہے بھلائی سے خالی ہے اس وقت تک زمانے کا ساتھ دیئے جا جب تک وہ تیرا ساتھ نہ چھوڑے۔ دیکھ حرص و ہوس تیری بینائی اور دشمنی تیری عقل کو سلب نہ کرے۔ اگر تیرا دوست رشتۂ دوستی منقطع کر دے تو تجھے چاہیئے کہ اسے جوڑ دے وہ جتنا تجھ سے دور ہو تو اتنا ہی اس کا قرب حاصل کر، اگر وہ سختی سے پیش آئے تو تیری طرف سے نرمی کا مظاہرہ ہو اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو تجھے اس کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے عذر پیش کرنا چاہیئے۔ اپنے دوست کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کر کہ وہ تیرا آقا ہے لیکن یاد رکھ کہ یہ طرزِ عمل بے موقع نہ ہو۔ نااہل اس طرزِ عمل کا مستحق نہیں ہے۔ اپنے دوست کے دشمن کے ساتھ دوستی کی پینگیں نہ بڑھا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرا دوست بھی تیرا دشمن بن جائے گا۔ اپنے دوست کو نصیحت کرتے وقت اس بات کی پرواہ نہ کر کہ اسے اچھی لگے گی یا بری۔ لسے دو ٹوک رنگ میں نصیحت کیا کر غیظ و غضب کے عالم میں برداشت سے کام لیا کر۔ میں نے جس قدر شیریں غصے کا جام پایا اتنا شیریں اور کوئی جام نہیں پایا۔ جو شخص تجھ سے سختی کا برتاؤ کرے تو اس سے نرمی کا سلوک کر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس میں اپنے آپ نرمی پیدا ہو جائے گی۔

اگر تو کسی سے دوستی کا رشتہ منقطع کرنے پر مجبور ہی ہو جائے تو بھی تھوڑا سا تعلق ضرور باقی رکھ تاکہ جب چاہے یہ رشتہ دوبارہ قائم کر سکے۔ کسی شخص کے حقوق اس زعم میں پامال نہ کر کہ یہ تیرا دوست ہے۔ جب تو اس کے حقوق پامال کر دے گا تو وہ تیرا دوست نہیں رہے گا۔ اپنے کنبہ کی طرف سے لاپرواہی نہ برتنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا کنبہ تیری وجہ سے ادبار کا شکار ہو جائے۔ ایسے شخص کی طرف متوجہ نہ ہونا جو تیری طرف سے بے نیازی کا اظہار کرے۔ تیرا دوست رشتۂ دوستی منقطع کرنے میں اور تو اس رشتے کو ہموار کرنے میں ہم سطح نہ ہونے پائے۔ تیرا پلہ ہمیشہ جھکا ہوا ہونا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ تو نیکی سے زیادہ بدی میں سرگرمی دکھانے لگے۔ ظالم کے ظلم کی وجہ سے کبیدہ خاطر نہ ہو۔ وہ مجھے نہیں اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اگر غور کرے تو تجھے اس ظلم سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔ جس شخص کے ذریعہ سے تجھے مسرت حاصل ہو اس کا بدلہ یہ نہیں کہ تو اس کے دل کو رنجیدہ کرے۔

اے میرے بیٹے!

رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کی تلاش میں تو سرگرداں رہتا ہے۔ اور اس کی دوسری قسم وہ ہے جو تیری تلاش میں رہتی ہے اگر تو اس کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دے تو یہ خود بخود تجھے تلاش

کرے گا۔ اس دنیا کے مال و منال میں اپنا حصہ اتنا ہی سمجھ جس سے تیری عقبیٰ سنور جائے۔ اگر تجھے اس چیز کا غم ہے جو تیرے پاس سے جاتی رہی تو اس شے کا بھی غم کر جو تجھے نہیں مل سکی۔ آنے والے زمانے کو گذرے ہوئے زمانہ سے بہتر سمجھ۔ اپنے آپ کو ان لوگوں کے گروہ میں شامل نہ کر جو نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔۔۔ بلکہ ملامت سے راہِ راست پر آتے ہیں۔ مردِ فہیم کے لئے معمولی نصیحت ہی کافی ہوتی ہے مگر جانور ڈنڈے سے سیدھے ہوتے ہیں۔ ناجائز خواہشات اور شبہات و وساوس پر قابو پانے کا طریقہ یہ ہے کہ صبر و یقین کی چٹان پر مضبوطی سے قدم جما لے۔ میانہ روی کو چھوڑنے والا غلط راستے پر پڑ جاتا ہے۔ حقیقی دوست کو قرابت دار کی جگہ پر سمجھ۔ مخلص دوست وہ ہے جو تیری عدم موجودگی میں بھی خیرخواہی کرے۔ خواہشاتِ نفسانی اور بدقسمتی ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

بہت سے عزیز اور دوست ایسے ہیں جو غیروں سے بھی بدتر ہیں اور بہت سے غیر ایسے ہیں جو عزیزوں اور دوستوں سے کہیں بہتر ہیں۔ بے وطن اسے کہتے ہیں جو سچے دوست سے محروم ہو۔ حق کے راستے سے روگردانی کرنے والے پر راہ تنگ ہو جاتی ہے۔ حیثیت کے مطابق زندگی گزارنے والے کی آبرو برقرار رہتی ہے۔ محکم ترین رشتہ وہ ہے

جو خدا اور بندے کے درمیان ہے۔ جو شخص تجھ سے لاپرواہی برتتا ہے وہ تیرا دوست نہیں ہے۔ جس وقت امیدیں موت نظر آنے لگے تو ناامیدی ہی زندگی بخش بن جاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر عیب ظاہر ہو جائے ہر موقع سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بینا ٹھوکر کھاتا ہے اور نابینا بغیر ٹھوکر کھائے سیدھا راستہ طے کر لیتا ہے۔ برائی کو اپنے آپ سے دور رکھ کیونکہ یہ تیری خواہش پر بڑی جلدی واپس آ جائیگی نادان سے رشتۂ دوستی منقطع کرنا اور دانا سے دوستی کا رشتہ استوار کرنا ایک برابر ہے جو شخص دنیا پر اعتماد کرتا ہے یہ اس کو دغا دیتی ہے ضروری نہیں کہ ہر تیر نشانہ پر لگے۔ حاکم وقت کے بدلنے کے ساتھ زمانے میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ آغازِ سفر سے پہلے رفقائے سفر کو پرکھ لے اور قیام کرنے سے پہلے ہمسایوں کی پڑتال کر لے۔ یاد رکھ تیری گفتگو سے کسی کی تضحیک کا پہلو نہ نکلتا ہو۔ خواہ کسی اور کے الفاظ کا اعادہ ہی کیوں نہ ہو۔ عورتوں کے بے پردہ رہنے سے بھی زیادہ یہ بات خطرات کا موجب ہے کہ .... ان میں بدقماش لوگوں کی آمد ورفت ہو۔ سوائے کسی خاص ضرورت کے انہیں غیروں سے رسم وراہ نہ رکھنے دے .... عورتوں کو اس امر سے روک کہ وہ تیرے پاس دوسروں کی سفارشیں لے کر آئیں،

ان سے خواہ مخواہ رقابت کا اظہار نہ کر اس طرح نیک نفس عورت کے بھی بدی کی طرف مائل ہونے کا احتمال ہے۔ اپنے ہر خادم کے سپرد کوئی نہ کوئی فرض ضرور کر دے تاکہ وہ تیرے کاموں کو ایک دوسرے پر ڈال کر خراب نہ کریں۔ اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ اکرام کا سلوک کر کہ یہ تیرے بازو ہیں جن کے ذریعہ تو اڑتا ہے، یہ وہ بنیاد ہے جس پر تو قیام کرتا ہے اور یہ وہ ہاتھ ہیں جو تجھے لڑنے میں کام دیتے ہیں۔

میں تیرا دین اور تیری دنیا اللہ تعالےٰ کے حوالے کرتا ہوں اور خدائے بزرگ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے دینی و دنیوی فلاح عطا کرے۔
والسلام۔" (نہج البلاغۃ صت۳۸ تا صت۴۵ الجزو الثانی، مرتبہ السید الشریف الرضی)

حضرت علیؓ کی شہادت

اس وصیت کے کچھ عرصہ بعد حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے، آپ کی شہادت کے متعلق مختلف لوگوں نے روایت کی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معتبر و مستند وہ روایت ہے جو حضرت امام حسنؓ سے منسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ طبقات میں آتا ہے کہ:۔

حسنؓ بن علیؓ نے بیان کیا کہ "میں علی الصبح ان (حضرت علیؓ) کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے گھر والوں کو جگا رہا تھا کہ مجھ پر

نیند کا غلبہ ہو گیا حالانکہ اس وقت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس عالم (خواب) میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ کی امت نے بڑا دکھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں دعا کرو کہ مجھے ان سے بہتر لوگ عطا فرمائے۔ اسی اثنا میں مسجد کوفہ کے موذن ابن النباح آئے اور اطلاع دی کہ جماعت تیار ہے۔ حضرت علیؓ اس طرح کھڑے ہوئے کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور پھر وہ مسجد کی طرف روانہ ہو گئے، ان کے آگے آگے ابن النباح مؤذن تھے۔ پیچھے پیچھے میں چل رہا تھا۔ جب دروازے سے برآمد ہوئے تو انہوں نے آواز دی کہ لوگو "نماز نماز" یہ ان کا معمول تھا جب وہ گھر سے نکلتے تو دُرّہ ہاتھ میں ہوتا اور لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتے جاتے۔ آگے بڑھ کر دو شخص ان کے سامنے آئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ "اے علیؓ حکم اللہ کا ہے نہ کہ تمہارا" یہ کہہ کر دونوں نے حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک شخص کی تلوار جس کا نام شبیب تھا محراب پر پڑی اور دوسرے شخص عبدالرحمٰن بن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر پڑی اور کاٹتی ہوئی چلی گئی۔ ابن ملجم گرفتار کر لیا گیا۔ اسے حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اچھی غذا اور نرم بستر دو

اگر میں بچ گیا تو اسے معاف کر دوں گا یا قصاص لے لوں گا اور اگر جاں بر نہ ہو سکوں تو اسے بھی میرے پیچھے بھیجدینا۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا اور اپنا معاملہ پیش کروں گا۔ اس واقعے کے بعد حضرت علیؓ جمعہ کے دن اور سنیچر کی رات کو زندہ رہے اور اتوار ۱۹ار رمضان کو وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے انہیں غسل دیا اور تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ ان کپڑوں میں کرتہ شامل نہیں تھا۔ حضرت امام حسنؓ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی اور جامع مسجد کوفہ کے قریب اس میدان میں دفن کئے گئے۔ جو الواب کندہ کے متصل واقع ہے۔ حضرت علیؓ نے چار سال نو ماہ خلافت کی اور وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ (طبقات ابن سعد جزء ثالث صفحہ ۲۴ و ۲۵)

بیعتِ حسنؓ

حضرت علیؓ کی شہادت سے قبل آپ بستر مرگ پر دراز تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "نہ میں تمہیں اس سے روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں۔" (مسعودی جلد سوم صفحہ ۲۶۳)

حضرت علیؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر لوگ حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ ہم سے بیعت لے لیجیے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی ان کی بیعت کر لی گئی۔ بہر حال تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حضرت امام حسنؓ مسجد کوفہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں ان کی بیعتِ عام کی گئی۔ بیعت کے بعد آپ ممبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ۔

"اے لوگو! کل ایسا شخص تمہیں داغِ مفارقت دے گیا جس سے نہ تو پہلے لوگ سبقت لے جا سکے اور نہ آنیوالے لوگ اس کے مرتبے کو پہنچ سکیں گے۔ جب رسولِ خدا اسے علم دے کر میدانِ جنگ میں روانہ فرماتے تھے تو وہ اس وقت تک واپس نہ آتا تھا جب تک کہ میدان سر نہ کر لیتا تھا۔ اس کے دائیں طرف جبریل اور بائیں طرف میکائیل ہوتے تھے۔ اس نے اپنی وفات کے وقت چاندی سونا کچھ نہیں چھوڑا۔ سوائے ان سات سو درہم (ایک سو پچھتر روپے) کے جو تقسیم سے بچ رہے تھے۔

(طبقات ابن سعد جز ثالث ص ۲۵/۲۶)

حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضؓ

کی

کشمکش کا پس منظر

حسنؓ اور معاویہؓ کی کشمکش کا پس منظر

حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت امام حسنؓ کی بیعت خلافت کے بعد اصولاً اس قضیئہ نامرضیہ کو ختم ہو جانا چاہیئے تھا جو امیر معاویہؓ کے جارحانہ اقدامات کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا کیونکہ امیر معاویہؓ کا اختلاف تو حضرت علیؓ سے تھا اور ان کے بقول حضرت علیؓ ہی نے قاتلانِ عثمانؓ سے انتقام لینے میں تغافل برتا تھا اب حضرت علیؓ شہید ہو چکے تھے اور ان کی بجائے جس شخص کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی تھی اس کا اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خود امیر معاویہؓ نے بھی کبھی حضرت امام حسنؓ پر شہادتِ حضرت عثمانؓ میں شریک ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ اس لئے ہونا یہی چاہیئے تھا کہ جب حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی گئی تھی تو امیر معاویہؓ بھی امت کے ایک فرد کی حیثیت سے اس خلیفۂ راشد کے حضور سرِ اطاعت خم کر دیتے لیکن اگر وہ

اس میں کسر شان سمجھتے تھے تو کم از کم اتنا ہی کرتے کہ اپنے زیر تصرف علاقے پر قانع رہتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے اچھا نمونہ نہیں دکھایا اور جیسے ہی انہیں خبر ملی کہ حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا ہے انہوں نے اپنے ایک جرنیل عبداللہ بن عامر بن کریز کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا تاکہ حضرت امام حسنؓ کی حدود مملکت پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت امام حسنؓ کے خلاف امیر معاویہؓ کی لشکر کشی سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امیر موصوف نے حضرت علیؓ کے خلاف جو جنگ لڑی تھی اس میں سو فیصلہ ہوس اقتدار کارفرما تھی اور اسی جاہ طلبی اور حرص خلافت نے انہیں خلیفہ راشد حضرت امام حسنؓ کے خلاف برسرِ پیکار ہونے پر اکسایا۔ پیشتر اس سے کہ حضرت امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان رونما ہونے والی اس کشمکش پر روشنی ڈالی جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبائلِ عرب اور خصوصاً ہاشم اور عبدشمس کی تاریخی کشمکش کا جائزہ لے لیا جائے۔ اس طرح ان اسباب و علل کی نشاندہی ہو جائے گی جنہوں نے امت کو انتشار و افتراق کا شکار بنا دیا اور اس سے ایک نام نہاد مورخ کے اس لوچ دعوے کی بھی قلعی کھل جائے گی جس نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں لکھا ہے کہ عرب میں نسلی کشمکش کے جو واقعات

بیان کئے جاتے ہیں وہ سب محض افسانے ہیں اور خصوصاً بنو ہاشم اور بنو امیہ میں کوئی کشمکش نہ تھی۔

قبائل عرب کی باہمی کشمکش

قدیم عرب کی آبادی مختلف قبائل پر مشتمل تھی۔ ان میں سے بیشتر قبائل بادیہ نشین تھے اور ان کا قیام کسی ایک جگہ مستقل طور پر نہیں رہتا تھا۔ یہ تلاشِ معاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ ان میں سے جو قبائل اپنی کثرت اور قوت کی بنا پر مضبوط حیثیت کے مالک ہو جاتے تھے وہ اپنے سے کمزور قبیلوں پر حملہ کر کے انہیں اپنا محکوم بنا لیتے تھے اور اس طرح حکومت ان کے قبیلے میں آجاتی تھی۔ حکومت و امارت اپنے ساتھ وسائلِ عیش و عشرت بھی لاتی ہے، اس لئے جب وہ عیش کوش ہو جاتے تو دوسرے قبائل ان پر حملہ کر کے انہیں مغلوب کر لیتے پھر حکمرانی کا نیا دور شروع ہو جاتا اور ہزیمت خوردہ قبائل یا تو فاتح قبائل کے زیرِ سیادت رہنا گوارا کر لیتے یا اپنے صحراؤں میں واپس چلے جاتے۔ ان قبائل میں قبیلۂ قضاعہ بڑا نامور اور اپنے افراد کی کثرت کے لحاظ سے بہت بڑا قبیلہ تھا اور اس نے عرصۂ دراز تک

حکومت کی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ شاہانِ روم بھی اس کی قوت و شجاعت کے معترف تھے اور انہوں نے بادیہ نشینانِ عرب پر قبیلہ قضاء کی سیادت تسلیم کرلی تھی۔ اس قبیلے کی حکومت شام اور حجاز کے درمیانی علاقے میں تھی۔ اور اہل حجاز بھی اسی کے زیر تسلط تھے۔ اِن میں تین بڑے نامور بادشاہ گزرے ہیں۔ نعمان بن عمرو۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن نعمان اور اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا نعمان بن عمرو یہ بڑے جاہ و جلال کے بادشاہ تھے اور عرب ان کے سامنے گردنِ اطاعت خم رکھتے تھے۔ انہیں سارے عرب میں شرافتِ نسب اور ذاتی عظمت کے لحاظ سے بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اس قبیلے کی متعدد شاخیں تھیں جن میں کچھ عراق، کچھ شام اور کچھ مکہ کے قرب و جوار میں آباد تھیں۔ ان میں ایک شاخ کا نام کنانہ تھا۔ جو مکہ کے مضافات میں آباد تھی۔ پھر اس کنانہ کی اور بہت سی شاخیں تھیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مشہور شاخ وہ تھی جسے بعد میں قریش کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس شاخ کے جد امجد قصی بن کلاب تھے۔ قصی کے والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام سے شادی کرلی اور ربیعہ خورد سال قصی اور ان کی والدہ کو لے کر علاقہ شام میں چلے گئے۔ قصی نے شام ہی میں

پرورش پائی۔ جب جوان ہوئے توحج کرنے مکّہ گئے اور پھر وہیں رہ پڑے۔ قصی بہت بہادر، سخت مزاج اور بڑے ذہین و فریس اللسان تھے۔ ان دنوں مکّہ پر قبائل خزاعہ و بنی بکر کی حکومت تھی اور حلیل بن حُبشیہ بن سلول مکہ کا حکمران تھا اور کعبہ کا متولی بھی۔ قصی نے اس کی بیٹی کیلئے اپنا پیغام دیا۔ حُلیل نے قصی کی ذاتی اور خاندانی شرافت، شجاعت اور ذکاوت و ذہانت سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی حبیٰ ان کے عقد میں دیدی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حُلیل نے اپنے انتقال سے پہلے وصیت کی کہ میرے بعد قصی میرا جانشین ہوگا۔ مگر حُلیل کے بیٹے المحترش نے باپ کی وصیت پر عمل نہ کیا اور حُلیل کے انتقال کے بعد مسند اقتدار پر قابض ہوگیا۔ (طبقات ابن سعد جزاوّل صفحہ ۳۶)

قضاعہ اور بنو بکر کی جنگ

اس اثنا میں مکہ اور اس کے اطراف و جوانب میں قصی کی شجاعت اور تدبر و فراست کا سکہ جم چکا تھا اور لوگ انہیں بڑی عزت و تکریم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مکہ کے اطراف میں قصی کے ہم قبیلہ کنانہ کے بھی بہت سے لوگ آباد تھے۔ چنانچہ قصی نے ان سے ذکر کیا کہ المحترش نے اپنے باپ کی وصیت کو پس پشت ڈال کر خود حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اور مجھے میرے حق سے محروم کر دیا ہے۔ ایک روائت کے مطابق قصی نے ان سے یہ بھی کہا کہ ہم لوگ ہی حضرت اسمٰعیلؑ بن حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں اور ہمیں کو مکہ پر حکومت کرنے کا حق پہنچتا ہے ہمارے مقابلے میں بنوبکر اور خزاعہ کو حکومت کا استحقاق کسی طرح نہیں پہنچتا۔ بنوکنانہ نے قصی کی اس رائے سے پورا اتفاق کیا۔ ادھر قصی نے اپنے سوتیلے بھائی رزاح بن ربیعہ کو بھی ایک خط لکھ کر امداد کی درخواست کی چنانچہ رزاح اپنے بہت سے عزیزوں اور قبیلۂ قضاعہ کے لوگوں کو لے کر قصی کی امداد کے لیے روانہ ہو گیا۔ مکہ پہونچ کر بنوکنانہ اور رزاح کے اہلِ لشکر نے قصی کی قیادت میں بنوبکر اور خزاعہ پر چڑھائی کر دی۔ یکے بعد دیگرے دو بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی جنگ میں قصی کو نمایاں کامیابی ہوئی دوسری جنگ میں جب بہت خونریزی ہوئی اور لڑائی پھر بھی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتی تھی تو بعض لوگوں کی کوشش سے ثالثی کی شرط پر جنگ بند ہو گئی۔ فریقین نے یعمر بن عوف بن کعب کو ثالث تسلیم کر لیا۔ یعمر نے فیصلہ کیا کہ۔

(۱) خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت قصی بن کلاب کا حق ہے۔

(۲) قصی کے ہاتھ سے خزاعہ اور بنوبکر کے جو افراد قتل ہوئے ہیں

ان کا خون بہا نہیں لیا جائے گا۔

(۳) خزاعہ و بنو بکر کے ہاتھ سے قصی کے جو ساتھی قتل ہوئے ہیں ان کا خون بہا خزاعہ و بنو بکر کو دینا ہوگا۔

(۴) خزاعہ و بنو بکر دونوں خانۂ کعبہ اور مکہ کی حکومت قصی کے حوالہ کردیں۔ (طبقات ابن سعد جزء اوّل صہ ۳۸)

قریش کی حکومت کا آغاز

یعمر کے اس فیصلہ نے مکہ ہی کی نہیں بلکہ سارے عرب کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ بنو بکر و خزاعہ مکہ سے نکال دیئے گئے اور قصی فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو گئے۔ قصی سے پہلے قریش عرب کے مختلف علاقوں میں منتشر تھے۔ قصی نے انہیں ایک جگہ جمع کیا۔ اس نسبت سے یہ لوگ قریش کہلائے کہ قریش تقرش سے نکلا ہے جس کے معنی اجتماع کے ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد قصی نے شہر کے انتظام اور کعبہ کی نگہبانی کے سلسلے میں ایک دائرہ کار متعین کیا۔ مکہ کی حکومت اور نظم و نسق کے جملہ امور انہوں نے اپنے ہاتھ میں لئے۔ محکمہ مال کا شعبہ بھی انہیں کے پاس تھا۔ مکہ میں رہنے والوں کے علاوہ جو لوگ شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے

انہیں ایک مقررہ رقم جسے عشر کہتے تھے۔ قصی کو ادا کرنی پڑتی تھی، انہیں کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ جسے چاہیں کعبہ میں جانے دیں اور جسے چاہیں روک دیں، حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا مقدس فریضہ بھی انہیں کے ذمہ تھا۔ جنگ کے موقع پر علم بلند کرنے کا اختیار بھی انہیں کو حاصل تھا اور مجلس شوریٰ کے نگران اعلیٰ بھی وہی تھے۔

قصی نے عرصہ دراز تک بڑی شان و شوکت سے مکہ پر حکومت کی اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ ان کے اقتدار کو چیلنج کرتا پھر جب انہوں نے بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھا اور ان کے قویٰ مضمحل ہو گئے تو انہوں نے اپنے جملہ اختیارات اپنے بیٹے کے سپرد کر دیئے۔ قصی کے چار بیٹے تھے۔

(۱) عبدالدار بن قصی

(۲) عبد مناف بن قصی

(۳) عبدالعزیٰ بن قصی

(۴) عبد بن قصی

ان میں سے عبدالدار قصی کا سب سے بڑا بیٹا تھا مگر طبیعت کے لحاظ سے سب سے کمزور واقع ہوا تھا۔ برعکس اس کے عبد مناف بہت مضبوط ارادے کا مالک بڑا صاحب سطوت و شوکت اور عقیل و فہیم

شخص تھا۔ اس نے قصی کی زندگی ہی میں بڑی ناموری اور مقبولیت حاصل کر لی تھی مگر قصی عبدالدار کو زیادہ چاہتے تھے اور انہوں نے اپنے سارے اختیارات عبدالدار ہی کو منتقل کر دیئے تاکہ عبدمناف اس پر غالب نہ آجائے اور اختیارات منتقل کرتے وقت عبدالدار کو مخاطب کر کے اس سے کہا کہ اے میرے فرزند اگرچہ تیرا بھائی تجھ پر فضیلت رکھتا ہے مگر میں تجھے حکومت کے مندرجہ ذیل اختیارات دے کر تجھے اس کے ہم مرتبہ کئے دیتا ہوں۔

(۱)...... جب تک تو خانہ کعبہ کا دروازہ نہیں کھولیگا ان میں سے کوئی اس میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔

(۲)..... قریش کا کوئی فرد اعلان جنگ نہیں کر سکے گا جب تک کہ تو لوائے جنگ اپنے ہاتھ سے بلند نہیں کرے گا۔

(۳)..... اہل مکہ میں سے کوئی شخص پانی نہیں پئے گا جب تک کہ تو نہیں پلائے گا۔

(۴)..... حج کے ایام میں جو شخص کھانا کھائے گا تیرے ہی دسترخوان پر کھائے گا۔

(۵)..... جب تک قریش تیرے گھر میں جمع نہیں ہونگے

کسی امر کا فیصلہ نہیں کریں گے۔

(طبقات ابن سعد جز اوّل ص ۴۲)

اس طرح قصی نے اپنے بیٹے عبدالدار کو کعبہ کی نگرانی علمبرداری حاجیوں کو پانی پلانے کھانا کھلانے اور مجلس شوریٰ کے سارے اختیارات تفویض کر دیئے۔

بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف میں اختلاف

قصی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی اور عبد مناف کے سب سے بڑے بیٹے عبد شمس نے تہیہ کر لیا کہ وہ عبدالدار کو اختیارات سے محروم کر کے خود مسند اقتدار پر قابض ہو جائے گا۔ عبد شمس اپنے باپ کی طرح بڑا ذکی و فہیم اور صاحب ہمت و شجاعت تھا اور اپنے عہد کی سیاست پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا۔ جوڑ توڑ میں اسے کمال حاصل تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے حکومت کرنے کا اہل تھا۔ چنانچہ اس نے بنو تمیم، بنو اسد، بنو حارث اور بنو زہرہ کو اپنے ساتھ ملا کر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر عبدالدار نے بنو عدی، سہیم، بنو مخزوم اور جمح کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا۔ اس کے بعد دونوں

فریقوں نے حلف وفاداری اٹھایا عبدشمس اور اسکے حلیف قبائل نے ایک برتن سے پیالے میں جو خوشبو سے بھرا ہوا تھا اپنے ہاتھ ڈبوئے اور طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ہر شخص اپنے ہاتھ کعبہ سے مس کرتا جاتا تھا کہ عہد پختہ ہو جائے ادھر بنو عبدالدار اور انکے حلیفوں نے خون سے بھرے ہوئے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر وفاداری کا عہد کیا۔ اس کے بعد دونوں فریق میدان میں اتر پڑے مگر قبل اس سے کہ معرکۂ کارزار گرم ہوتا قریش کے بعض اکابر کی کوششوں سے دونوں متحارب گروہوں میں صلح ہو گئی اور عبد مناف جو اب تک اقتدار سے بہ کلی محروم تھے اس صلح کے مطابق انہیں حاجیوں کی میزبانی اور آب رسانی کے اختیارات حاصل ہو گئے اس طرح وہ بھی اقتدار میں شریک ہو گئے۔

ہاشم کی سرداری

عبد مناف کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ہاشم اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ یہ بڑے خوب صورت، بارعب، شریف النفس اور نہایت فیاض انسان تھے۔ ان کا اصلی نام عمرو تھا۔ ان کی شجاعت اور معاملہ فہمی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ مکہ کے لوگ ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں مکہ ایک ہولناک قحط کا شکار ہوا۔ اور بڑے بڑے مالدار لوگ ایک ایک دانے کو محتاج

ہو گئے۔ عمرو سے لوگوں کی یہ تکلیف نہ دیکھی گئی۔ انہوں نے شام کا
سفر کیا اور وہاں جا کر کثیر تعداد میں روٹیاں پکوائیں پھر انہیں بوریوں
میں بند کر کے اونٹوں پر لدوایا اور مکہ واپس آکر اپنے ملازموں کو حکم
دیا کہ انہیں توڑ کر ثرید بنالی جائے۔ جن اونٹوں پر یہ روٹیاں لدکر آئی
تھیں انہیں ذبح کرا کر دیگیں چڑھا دیں اور سارے مکہ میں اعلان کرا دیا
کہ جو شکم سیر ہو کر کھانا کھانا چاہے وہ عمرو کے دسترخوان پر آجائے چنانچہ
مکہ کے فاقہ زدہ لوگ گروہ در گروہ آتے اور شکم سیر ہو کر کھانا کھاتے،
چونکہ عمرو نے روٹیاں تڑوا کر ثرید بنوائی تھی اس لئے ان کا نام ہاشم
پڑ گیا یعنی روٹیوں کو توڑ لینے والا۔ (طبقات ابن سعد جزاول ص۳۴)

ہاشم بڑے متمول اور نہایت اعلٰے درجے کے منتظم تھے اس
لئے انہوں نے حاجیوں کے کھانے اور پانی کا انتظام اس خوش اسلوبی
سے کیا کہ لوگ ان کے حسن انتظام اور فراخ دستی کے قائل ہو گئے۔

ہاشم و امیہ میں عداوت کا آغاز

جب سے ہاشم نے ثرید بنا کر مکہ کے قحط زدہ لوگوں کو کھانا کھلایا تھا
اس وقت سے اُن کی قدر و منزلت اور مقبولیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا
تھا مگر ہاشم کے بھتیجے امیہ بن عبد شمس کو اپنے چچا کی یہ مقبولیت ایک آنکھ

نہ بھائی اور اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اپنے خیال میں
چچا کو نیچا دکھانے کے لئے اس نے بھی ایک دعوت کا اہتمام کرنا چاہا
اور کوشش کی کہ ہاشم سے بڑھ جائے مگر اس میں اُمیہ کو سخت ناکامی ہوئی
اس ناکامی پر قریش کے بعض لوگوں نے اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا
اس پر اُمیہ مشتعل ہو گیا اور ہاشم کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کئے،
معاملہ بڑھ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اُمیہ نے ہاشم کو منافرہ
کے لئے چیلنج کر دیا۔ منافرہ عرب کی ایک خاص رسم تھی۔ جب دو
آدمی ایک دوسرے پر اپنی فضیلت جتاتے تھے اور دونوں میں سے
کوئی کسی کی فضیلت کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا تو
کسی غیر جانبدار شخص کو جو قوم میں ممتاز حیثیت کا مالک ہوتا تھا ثالث
بنا لیا جاتا تھا۔ ایک مقررہ جگہ پر دونوں گروہ جمع ہو جاتے تھے اور
ثالث اپنا فیصلہ سنا دیتا تھا۔

جب اُمیہ نے ہاشم کو منافرہ کی دعوت دی تو ہاشم نے
اپنی عمر اور بلند مرتبے کے پیش نظر اس سے منافرہ کرنا پسند نہ کیا،
مگر قریش نے ہاشم کو مجبور کیا کہ اُمیہ کی دعوت منظور کرے۔ مجبوراً انہیں
منافرہ کے لئے نکلنا پڑا۔ مگر اس کے لئے ہاشم نے یہ شرط مقرر کی کہ
ہم دونوں میں سے جس کے خلاف فیصلہ ہو جائے وہ غالب فریق کو

پچاس سیاہ چشم اونٹ دینے ہوں گے اور دس سال کے لئے
مکہ سے جلاوطن ہونا پڑے گا۔ امیہ کو یہ شرط منظور کرنا پڑی۔ چنانچہ
بنی خزاعہ کے ایک کاہن کو ثالث بنایا گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ
ہاشم امیہ پر فضیلت رکھتا ہے اور وہی مکہ کی سرداری کا اہل
ہے۔ اس فیصلے کے مطابق امیہ نے پچاس اونٹ ہاشم کو دیئے
جنہیں ذبح کر کے ہاشم نے قریش مکہ کی بڑی پُر تکلف دعوت کی
امیہ اپنے قبیلہ کو لے کر مکہ سے شام چلا گیا اور وہاں دس سال تک
جلاوطنی کی زندگی گذاری۔ (طبقات ابن سعد جزاوّل صہ۴۴)
اِسطرح ہاشم اور امیہ کے قبائل میں عداوت کا آغاز ہوا جس نے
بعد میں مستقل صورت اختیار کر لی۔

عبدالمطلب کی سرداری

ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بھائی مُطلب مکہ کے حاکم
ہوئے۔ مطلب کو بھی مکہ میں عزت اور فضیلت حاصل تھی۔
سخاوت میں وہ اپنے پیش رو کے صحیح جانشین تھے اور ان کی یہ
خصوصیت اتنی نمایاں تھی کہ قریش نے انہیں الفیض کا خطاب دیا تھا۔
مطلب کی وفات کے بعد عبدالمطلب کو مکہ کی سرداری ملی۔ یہ

ہاشم کے بیٹے تھے۔ مگر چونکہ عبدالمطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور اپنے بیٹوں کی طرح انہیں چاہتے تھے اس لئے عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ عبدالمطلب بڑی شان و شوکت کے سردار تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ چاہ زمزم کی دوبارہ دریافت ہے۔ وہ پاک چشمہ جو اللہ تعالےٰ نے مکہ کی وادیٔ بے آب و گیاہ میں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کے لئے جاری فرمایا تھا ریت اور پتھروں کے نیچے دب گیا تھا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس جگہ واقع ہے۔ عبدالمطلبؓ کے دل میں اس تاریخی اور مقدس چشمے کو دریافت کرنے کی شدید تڑپ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے انہیں خواب میں اس چشمے کی جگہ بتادی اور حکم دیا کہ کدال لے جاکر اس جگہ کو کھودو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے حارث کو اپنے ساتھ لیا اور کدال لے کر اس جگہ پہنچ گئے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے خواب میں اشارہ فرمایا تھا تین دن تک کھودنے کے بعد چشمہ نکل آیا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے زور سے **اللہ اکبر** کا نعرہ لگایا اور کہا۔

"یہی وہ چشمہ ہے جو حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کے لئے جاری کیا گیا تھا" (طبقات ابن سعد جزء اول ص۷۹)

اس عظیم الشان کارنامے سے عبدالمطلب کی عزت و عظمت کا شہرہ مکہ سے

نکل کر سارے عرب میں پھیل گیا اور انہیں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی۔

عبدالمطلب اور حرب میں عداوت

جس طرح عبدالمطلب کے والد ہاشم کے ایک کارنامے نے امیہ کے دل میں ہاشم کے خلاف حسد کا بیج بو دیا تھا، اسی طرح ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کے اس کارنامے نے امیہ کے بیٹے حرب کو عبدالمطلب کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ایک بار عبدالمطلب اور حرب کے درمیان حبشہ کا سفر کرتے ہوئے کسی معاملے کے متعلق سخت کلامی ہو گئی اور حرب نے عبدالمطلب کو منافرے کی دعوت دی۔ حبش میں پہنچ کر دونوں نے شاہ حبشہ نجاشی سے درخواست کی کہ آپ ثالث بن کر فیصلہ کر دیجئے کہ ہم دونوں میں سے کون عظمت کا حامل ہے۔ نجاشی نے اس معاملے میں پڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ آپ دونوں کسی اور شخص کو ثالث بنا لیں۔ آخر حضرت عمر بن خطاب کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح کو حکم بنایا گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ عبدالمطلب حرب کے مقابلے میں زیادہ بلند قامت، خوبصورت، کثیر الاولاد، خوف و دہشت کے وقت ثابت قدم رہنے والا، بہت فیاض اور فصیح البیان ہے، چونکہ فیصلہ حرب کے خلاف ہوا تھا اس لئے اس نے نفیل کو بہت

سخت سست کہا اور اس کے خلاف ہجویہ اشعار کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ (طبقات ابن سعد جزاوّل ص۵۲)

ابوسفیان کی حضورؐ سے عداوت

حرب کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ابوسفیان میں قبائلی عصبیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ نبوت فرمایا اور ابوسفیان نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق آپ کی دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں تو اس نے حضورؐ کے اس عروج کو بھی قبائلی عصبیت کی عینک سے دیکھا اور خیال کیا کہ اگر رسولؐ اللہ کی دعوت کامیاب ہو گئی تو اقتدار بنوہاشم کے قبضہ میں چلا جائے گا اور بنوامیہ ان کے محکوم ہو جائیں گے چنانچہ اس نے قریشِ مکہ کے سرداروں سے مل کر حضورؐ کی دعوت کو ناکام بنانے کا تہیہ کر لیا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور بانیٔ اسلام کو جو مصائب و آلام پیش آئے ان میں ابوجہل کے بعد ابوسفیان کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جنگ بدر کے سوائے فتح مکہ تک قریش نے مسلمانوں پر جتنے حملے کئے ان سب کی قیادت ابوسفیان نے کی اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور حضورؐ کو اذیت پہنچانے

میں اس نے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا حضورؐ کو اذیت دینے میں صرف ابوسفیان ہی شریک نہیں تھا بلکہ اس کی قیادت میں اس کا سارا قبیلہ (بنی امیہ) نسلی عصبیت کی بنا پر حضورؐ کے درپے آزار تھا چنانچہ اس قبیلے کا ایک بدبخت فرد عقبہ بن ابی معیط حضورؐ کی ایذا رسانی میں پیش پیش رہتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضورؐ خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اتنے میں ابی معیط ایک چادر لے کر آیا اور اسے بل دے کر رسی کی طرح بٹ لیا اور جوں ہی حضورؐ سجدے میں جانے لگے اس بدبخت نے وہ چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس طرح پیچ دیئے کہ آپؐ کا گلا گھٹنے لگا اور آنکھیں باہر نکلنے لگیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ بھی خانہ کعبہ میں آ نکلے اور انہوں نے یہ کیفیت دیکھ کر حضورؐ کو ابن ابی معیط کی دست برد سے بچایا۔

اس قسم کی ذلیل حرکات سے بنوامیہ اور ان کے حلیف قبائل کا مدعا یہ تھا کہ ان سختیوں کی تاب نہ لا کر حضورؐ فریضہ تبلیغ سے دست بردار ہو جائیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی کوششیں رائیگاں جا رہی ہیں اور وہ حضورؐ کی دعوت کو ناکام بنانے کی جس شدت سے کوشش کر رہے ہیں یہ دعوت اسی شدت اور سرعت سے کامیاب ہو رہی ہے تو انہوں نے ایک اجتماع منعقد کیا اور بڑی بحث و تمحیص کے بعد ایک قرار داد منظور کی

جس کا مضمون یہ تھا۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جس طرح ممکن ہو پریشان کیا جائے، اس کی ہر بات کا مذاق اڑایا جائے۔ اسے طرح طرح سے ایذا دی جائے جو لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دعوے پر ایمان لے آئے ہیں ان پر بے دریغ مظالم توڑے جائیں۔"

اس اجتماع میں مکہ کے پچیس سرداروں نے شرکت کی جن میں ابولہب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور ابوسفیان بھی شامل تھے، اس قرارداد پر بڑی سختی سے عمل کیا گیا مگر نتیجہ پھر بھی سوائے اس کے اور کچھ نہ نکلا کہ حضورؐ کے متبعین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا حضورؐ کی اس روزافزوں کامیابی سے قریش مکہ بری طرح گھبرا گئے طوعاً مجبور ہو کر انہوں نے ایذا رسانی کی بجائے ترغیب و تحریص اور افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کیا چنانچہ ایک دن قریش کے اکابر شام کے بعد خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور ایک شخص کو حضورؐ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اکابر قوم آپؐ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضورؐ اس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نیکی کا جذبہ پیدا کر دیا ہو فوراً خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے لیکن وہاں معاملہ برعکس تھا۔

حضورؐ کو دیکھتے ہی اکابرِ قریش یک زبان ہو کر بولے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کی قسم ہم نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کی وجہ سے قوم پر اتنی مصیبتیں نازل ہوئی ہوں جتنی تمہاری وجہ سے نازل ہوئی ہیں، تم ہمارے آباؤ اجداد کی مذمت کرتے ہو۔ ہمارے بتوں کی تنقیص کرتے ہو، تم نے ہماری جماعت میں تفریق پیدا کر دی ہے، غرض کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو تمہاری وجہ سے ہم پر نہ آئی ہو۔ اگر تم مال و زر کے حریص ہو تو ہم تمہیں اتنا مال دیئے دیتے ہیں کہ تم مکہ کے امیر ترین شخص بن جاؤ گے اگر تمہیں سرداری کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں۔ اگر تم بادشاہی کی تمنا رکھتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بھی تسلیم کر لیں گے اگر تم پر کسی جن یا آسیب وغیرہ کا سایہ ہے تو ہم تمہارا علاج کرانے کے لئے بھی تیار ہیں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اکابرِ قریش کی یہ ساری باتیں بڑے تحمل و بردباری سے سنیں اور جب وہ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو آپ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے جتنی باتیں کہی ہیں ان میں سے ایک بھی درست نہیں ہے۔ نہ تو مجھے مال و دولت کی تمنا ہے نہ کسی اعزاز کا طالب ہوں اور نہ میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی بنا کر مبعوث کیا ہے مجھ پر اپنی کتاب اتاری ہے اور مجھے

تمہارے لئے بشیر ونذیر بناکر بھیجا ہے۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے احکام تم تک پہنچا دیئے ہیں۔ اگر تم پیغام الٰہی کو قبول کرو گے تو یہ امر دنیا اور عقبیٰ دونوں میں تمہارے لئے باعثِ فلاح ہوگا اور اگر تم نے پیغام الٰہی کو قبول نہ کیا تو میں اس وقت تک صبر سے کام لوں گا جب تک اللہ تعالےٰ تمہارے اور میرے درمیان کوئی فیصلہ نہ فرما دے۔

حضورؐ کی یہ دلنشیں تقریر سن کر اکابر قریش نے ہاں یا نہیں میں جواب دینے کے بجائے اپنی تقریر کا رخ دوسری جانب موڑ دیا اور آپ سے طنزیہ انداز میں کہا کہ

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تمہیں ہماری باتیں منظور نہیں تو پھر یوں کرو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس شہر سے زیادہ تنگ اور کوئی شہر نہیں ہے اور نہ کسی شہر میں پانی کی اتنی کمی ہوگی اور نہ کسی شہر کے لوگ اس قدر تنگی ترسی سے گذر بسر کرتے ہوں گے جس تنگ دستی سے ہم گذر اوقات کرتے ہیں۔ اس لئے جس خدا نے تمہیں نبی بنا کر ہمارے پاس بھیجا ہے تم اس سے کہو کہ وہ ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا کر دور لے جائے تاکہ ہماری زمین فراخ ہو جائے۔ تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ شام اور عراق کی طرح ہمارے شہر میں بھی چشمے جاری کر دے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی دوبارہ زندہ کر دے تاکہ وہ تمہارے دعوے کی تصدیق کر دیں اور

اپنے خدا سے کہہ کر قصی بن کلاب کو بھی دوبارہ زندہ کرا دو کہ وہ بڑا راست باز تھا اسکی شہادت سے دعوے کے مبنی برحق ہونے یا باطل ہونے کی گواہی بہیں مل جائیگی اور ہم تسلیم کرلیں گے کہ تم خدا کے فرستادہ ہو۔

سرداران قریش کی یہ تقریر سن کر حضور نے نہایت متانت و سنجیدگی سے فرمایا کہ جن امور کا تم مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کے لئے مجھے مبعوث نہیں کیا ہے اس نے مجھے اس امر کے لئے بھیجا ہے جس کی میں انجام دہی کر رہا ہوں۔ میں نے تمہیں اس کا پیغام سنا دیا ہے مگر تم اسے تسلیم کر لو گے تو دنیا و آخرت دونوں میں فلاح پاؤ گے۔ اور اگر تم انکار کرو گے تو میں اس وقت تک صبر سے کام لوں گا جب تک میرے اور تمہارے درمیان خدائی فیصلہ ظاہر نہ ہو جائے۔ اس پر قریش بولے کہ اچھا یہ تو وہ امور تھے جو ہم سب اپنے واسطے چاہتے تھے اگر تم یہ نہیں پسند کرتے تو پھر وہ کام کر دو جو تمہارے لئے ہوں یعنی تم اپنے خدا کے حضور دعا کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دے جو تمہاری تصدیق کرے اور اپنے خدا سے یہ بھی کہو کہ وہ تمہارے لئے خزانے عطا کر دے تاکہ تمہیں کسب معاش کے لئے بازاروں میں پھرنا نہ پڑے اور نہ وہ محنت کرنی پڑے جو اب کرتے ہو۔ اگر یہ سارے امور ظہور میں آگئے تو ہم یقین کر لیں گے کہ واقعی تم خدا کے نبی اور واجب التعظیم ہو۔

قریش کی اس تقریر کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس قسم کی دعائیں نہیں مانگتا اور نہ ان امور کے لئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے اگر تم میری تصدیق کرو گے تو یہ امر تمہارے لئے موجب خیر ہوگا، بصورت دیگر میں انتظار کروں گا کہ وہ ہم دونوں کے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے۔

حضورؐ کا جواب سن کر قریش نے تیسرا مطالبہ کیا کہ اچھا ایسا کرو کہ تمہارا دعوٰے ہے کہ اگر خدا چاہے تو آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔ تم اس سے کہو کہ وہ آسمان کا ٹکڑا ہم پر گرا دے۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا ہم ہرگز تمہیں قبول نہیں کریں گے۔

اس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے قبضۂ و اختیار میں سب کچھ ہے اگر وہ چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اس پر قریش نے چوتھا اعتراض یہ کیا کہ "اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کیا تمہارے خدا کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ ہم لوگوں کی طرف سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں گے۔ پس اس نے تم کو ان باتوں کے متعلق پیش از وقت کیوں نہیں بتا دیا۔ اس لئے اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اب تو ہم کبھی تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے

کہ یمامہ نامی شہر میں ایک شخص رہتا ہے جس کا نام رحمٰن ہے وہی تمہیں یہ باتیں سکھاتا ہے اور خدا کی قسم ہم اس رحمٰن نامی شخص کو تسلیم نہیں کریں گے۔

اس کے بعد اکابر قریش نے حضورؐ کو مخاطب کرکے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم پر اتمام حجت کر دی ہے، اب ہم اس وقت تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک تمہیں قتل نہ کر دیں یا تمہارے ہاتھ سے ہم خود قتل نہ ہو جائیں۔

جب قریش اس پستی میں اتر آئے تو حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر واپس تشریف لے آئے۔ اُن سردارانِ قریش میں جنہوں نے حضورؐ سے یہ کج بحثی کی اور آخر میں قتل کی دھمکی بھی دی۔ ولید بن مغیرہ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام وغیرہم کے علاوہ بنوامیہ کا سرخیل ابوسفیان بن حرب بھی تھا۔

جب سردارانِ قریش کی یہ دھمکیاں بھی بے سود ثابت ہوئیں اور حضورؐ نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں اور زیادہ شدت اختیار کر لی تو قریش مکہ نے ایک اور مشاورت طلب کی اور دارالندوہ میں جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ حضورؐ کو قتل کر دیا جائے۔ اس مشاورت میں بھی عقبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، ابوجہل بن ہشام اور ابوسفیان بن حرب پیش پیش

سے تھے اور پھر جب ہر قبیلے کے چیدہ چیدہ لوگوں نے حضورؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تا کہ آپ کو شہید کر دیں تو ان محاصرہ کرنے والوں میں ابوسفیان بن حرب بھی شامل تھا۔

ہجرتِ نبوی کے بعد جب قریشِ مکہ نے پہلی بار مسلمانوں پر چڑھائی کی اور جنگِ بدر برپا ہوئی تو ابوسفیان اس میں شریک نہیں ہو سکا کیونکہ یہ اس وقت مالِ تجارت لے کر شام گیا ہوا تھا واپسی پر جب اسے معلوم ہوا کہ قریشِ مکہ کا لشکر بدر کے میدان میں خیمہ زن ہے اور دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ بدر کے میدان سے بچتا ہوا اپنے قافلے کے ہمراہ مکہ پہنچ گیا۔ مکہ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ جنگِ بدر میں قریش نے بڑی عبرت ناک ہزیمت اٹھائی ہے اور ان کے تمام نامور سردار قتل ہو گئے ہیں تو اسے اس واقعہ کا سخت قلق ہوا۔ اور اس کے دل میں رسولؐ اللہ کی طرف سے دشمنی کے شعلے اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اس نے قسم کھائی کہ جب تک رسولؐ اللہ سے بدر کی شکست کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالوں گا اور نہ اپنی بیوی کے قریب جاؤں گا۔ چنانچہ چند روز کے بعد اس نے دو سو افراد کی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر ایک پہاڑی کے دامن میں خیمہ لگایا اور حملہ کرنے سے پہلے خفیہ طور پر اپنے ایک

دوست سلام بن مشکم کے گھر جا کر مدینہ کے حالات معلوم کئے۔ پھر واپس آکر اپنی جمعیت کے بعض افراد کو ساتھ لیا اور مدینہ کے ایک مقام عریض پر حملہ کر کے کھیتوں اور کھجوروں کے باغ کو آگ لگادی ان کھیتوں اور باغ کے مالک ایک انصاری مسلمان تھے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے ان انصاری اور ان کے ایک ساتھی کو اس حالت میں کہ وہ سو رہے تھے شہید کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر فوراً حضورؐ کو بھی ہو گئی چنانچہ آپؐ مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ موقع پر پہنچے مگر ابوسفیان بھاگ نکلا اور راستے میں ستو کی بوریاں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا گراتا گیا تاکہ بوجھ ہلکا ہو جائے اور بھاگنے میں آسانی ہو۔

ابوسفیان اور جنگِ احد

جنگ بدر میں قریش کی شکست کا داغ ایسا نہ تھا کہ مسلمانوں کے چند کھیتوں اور باغوں یا ایک دو انصاری مسلمانوں کو بے خبری میں شہید کر دینے سے مٹ جاتا۔ سارے مکہ میں قیامت برپا تھی اور جن لوگوں کے اعزہ و اقارب ہلاک ہوئے تھے وہ انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ اس جنگ میں قریش کے جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے ان میں ابوسفیان

کا بیٹا عمر بھی تھا۔ ابوسفیان کو اپنی اس ذلت کا بھی احساس تھا اور اسے یہ بھی نظر آرہا تھا کہ اگر مسلمانوں کو پوری قوت سے شکست نہ دی گئی تو ایک دن وہ سارے عرب پر چھا جائیں گے اور بنو امیہ کا تفاخر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے قریش مکہ کے اکابر کے ساتھ مل کر فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کی جائے اور شام سے جو سامان تجارت آیا ہے اور اس سفر میں جو منافع ہوا ہے وہ سب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ زبردست تیاریاں کی گئیں اور ابوسفیان نے عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ وغیرہم کے مشورے سے قریش کے علاوہ اہل تہامہ اور بنی کنانہ وغیرہ قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملایا اور پانچ ہزار جانبازوں کا لشکر جس میں سات سو زرہ پوش تھے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں قریش کی مستورات بھی شامل تھیں جو اپنے مردوں کو جنگ میں ابھارنے والے اشعار پڑھ رہی تھیں، ابوسفیان کی بیوی ہندہ ان عورتوں کی قیادت کر رہی تھی اور خود بھی جوشیلے اشعار پڑھ کر اہل لشکر کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا رہی تھی

مدینہ کے قریب پہنچ کر ابوسفیان نے اہل لشکر کے سامنے ایک تقریر کی اور اپنے علمبرداروں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ۔

"اے بنو عبد الدار! جنگ بدر میں تم نے ہمارے جھنڈے کو سرنگوں کر کے ہم پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑ دیئے خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ فتح اور شکست کا انحصار علم پر ہوتا ہے جب تک یہ کھڑا رہتا ہے لشکر ثباتِ قدم کے ساتھ جنگ کرتا رہتا ہے لیکن جب عَلم گر جاتا ہے تو لشکر کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اس لیئے اگر تم ثبات و استقلال کا مظاہرہ کر سکو پھر تو جھنڈا اٹھاؤ ورنہ یہ ہمیں دے دو" (سیرت ابن ہشام)

ابوسفیان کی یہ تقریر سن کر بنو عبدالدار نے یک زبان ہو کر کہا کہ جب دونوں لشکر برسرپیکار ہوں گے اس وقت تم دیکھو گے کہ ہم کس طرح علم کو سربلند رکھتے ہیں۔ احد کے مقام پر پہونچکر قریش مکہ کا مسلمانوں سے زبردست مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کو بری طرح شکست ہوئی۔ ان کے دو مشہور علمبرداروں میں سے آٹھ تو صرف حضرت علیؑ کی شمشیر خاراشگاف سے ہلاک ہوئے۔ یہ بازی مسلمان جیت چکے تھے مگر ان کے ایک کمانڈر کی سیاسی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ ان شہدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا

حضرت حمزہؓ بھی تھے جس مقام پر حضرت حمزہؓ کی نعش پڑی ہوئی تھی اس کے قریب سے اتفاقاً ابوسفیان کا گذر ہوا۔ اس شقی القلب نے حضرت حمزہؓ کے جبڑے میں اپنا نیزہ چبھویا اور کہنے لگا کہ تونے مزہ دیکھ لیا۔ (سیرت ابن ہشام)

اس کے بعد ابوسفیان ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور پھر مسلمانوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے بولا کہ اے مسلمانو! ہمارے اور تمہارے درمیان جو لڑائی ہے وہ کنوئیں کے ڈول کی مانند ہے کہ کبھی تمہارے پاس ہے اور کبھی ہمارے پاس ہے، یہ لڑائی جنگ بدر کا بدلہ ہے یہ کہہ کر اس نے اپنے قبیلے کے مخصوص بت کو پکار کر کہا کہ اے ہُبل! اپنے دین کو غلبہ عطا کر!

ابوسفیان کے یہ الفاظ حضورؐ نے بھی سن لئے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو ہدایت فرمائی کہ تم اس کے جواب میں کہو کہ "خدائے ذوالجلال غالب ہے (ہبل نہیں) ہم دونوں کے مقتول ہم مرتبہ نہیں ہو سکتے تمہارے مقتول دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور ہمارے شہدا جنتی ہیں"!

اس کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں کو بآواز بلند مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اب ہم تمہارے ساتھ آئندہ سال پھر قوت آزمائی کریں گے ــــ حضورؐ نے ایک صحابی کو ہدایت فرمائی کہ اس سے کہہ دو کہ اچھی بات

بہ ہم دونوں کے درمیان ایک پکا عہد ہے۔

ابوسفیان کی ناپاک کوشش

اس جنگ میں عارضی طور پر مسلمانوں کی فوج میں ابتری پیدا ہو گئی مگر جلد ہی وہ سب واپس آگئے اور حضورؐ کو چاروں طرف سے اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا۔ مسلمانوں کی جمعیت کو یک جا ہوتا دیکھ کر ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر میدان جنگ سے نکل گیا۔ حضورؐ نے اس خیال سے کہ قریش مکہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان ہمارا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے ہیں۔ مسلمانوں کو دشمن کا تعاقب کرنے کا حکم دیا اور آپؐ نے خود اس تعاقب کی قیادت فرمائی۔ مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد تک آپ نے ابوسفیان کے لشکر کا پیچھا کیا اور یہاں پہنچ کر تین روز تک قیام فرمایا۔ ادھر حضورؐ حمراء الاسد میں مقیم تھے اور ادھر ابوسفیان چند میل آگے ایک مقام روحاء میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اسی اثناء میں معبد بن خزاعی نامی ایک شخص مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے جب روحا کے مقام پر پہونچا تو یہاں اس کی ابوسفیان سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے معبد سے کہا کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سرگروہ ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اب میرا

ارادہ ہے کہ اس پر دوبارہ حملہ کر کے اس کا اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں کا بھی قصہ ختم کر دوں۔

ابوسفیان کی یہ گفتگو سن کر معبد خزاعی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو خود تمہارا تعاقب کرنے کے لئے مدینہ سے نکلے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا زبردست لشکر ہے کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس لشکر میں بہت سے ایسے مسلمان بھی ہیں جو جنگ احد میں شریک نہ تھے اور اب وہ سخت مغلوب الغضب ہو رہے ہیں۔

ابوسفیان بولا تم کیسی باتیں کرتے ہو میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں پر ایک اور حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر دوں۔ معبد نے کہا کہ اگر تم نے مسلمانوں پر یورش کی تو یاد رکھو تم اور تمہارا لشکر سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو جتنی جلدی ہو سکے مکہ واپس چلے جاؤ۔ اس طرح مکہ کے ایک اور سردار صفوان بن امیہ نے بھی اسے جنگ کرنے سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح ابوسفیان اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہوئے بغیر مکہ کو واپس چلا گیا۔

ابوسفیان اور غزوۂ خندق

۵ھ میں یہودیوں نے رسول اللہ کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لئے وہ مکہ پہونچے اور دیگر قبائل کے علاوہ قریش سے بھی ملے۔ ان کا سردار ابوسفیان فوراً یہودیوں کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ ہوگیا اور دس ہزار جنگ آزماؤں کا لشکر لیکر یہودیوں کی امداد کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس جنگ میں یہودیوں اور قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے حضورؐ نے مدینہ کے گرد ایک وسیع اور گہری خندق کھدوادی تھی۔ اس لئے محاصرہ نے بہت طول کھینچا۔ اس دوران میں دشمن نے کئی بار مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر ہر کوشش میں انہیں ناکامی ہوئی۔ آخر اس طویل محاصرے اور ان پے در پے شکستوں سے تنگ آکر ابوسفیان اور قبیلہ غطفان کے سرداروں نے یہودیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں کل محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کر دینا چاہیئے کیونکہ ہم لوگ یہاں پڑے پڑے تنگ آگئے ہیں۔ ابوسفیان کے اس پیغام کے جواب میں یہودیوں نے اسے کہلا بھیجا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسی صورت میں جنگ کر سکتے ہیں جب تم اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر ہمارے ساتھ کر دو۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ

تمہارے جانے کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں قتل کر ڈالیں گے لیکن جب تمہارے کچھ افراد ہمارے پاس ہوں گے اور تمہیں معلوم ہوگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں پر حملہ کیا ہے تو تم اپنے آدمیوں کو بچانے کے لئے اپنی جمعیت کے ساتھ آجاؤ گے۔ ابوسفیان نے یہودیوں کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دونوں میں نفاق پیدا ہوگیا۔ ادھر اس قدر شدت کی آندھی آئی کہ دشمن کے کھانے کے برتن اڑ گئے۔ خیمے اکھڑ گئے اور سردی کی ایسی سخت لہر آئی کہ غنیم کی فوج پر لرزہ طاری ہوگیا یہ صورت حال دیکھ کر ابوسفیان کا حوصلہ پست ہوگیا! اور اس نے قریش سے کہا کہ تم لوگ اس مقام پر خیمہ زن ہوئے ہو جہاں ہمارے جوتے ٹوٹ گئے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہم سے عہد شکنی کی۔ ادھر آندھی نے ہمیں کسی کام کا نہیں رکھا ہے اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ اب ہم مکہ کو واپس ہوجائیں یہ کہہ کر ابوسفیان اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت گھبراہٹ کی حالت میں مکہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

فتح مکہ اور ابوسفیان

سنہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے باوجودیکہ حضورؐ صرف ایک مقدس فریضہ ادا کرنے

تشریف لے جا رہے تھے اور آپؐ نے جنگ کی تیاری بھی نہیں کی تھی۔ مگر قریش مکہ نے آپؐ کی تشریف آوری کو جنگ کا رنگ دے دیا اور جب حضورؐ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریشؓ کے نمائندے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ میں جنگ کرنے نہیں آیا ہوں میرا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے مگر قریشؓ کو حضورؐ کی اس بات کا یقین نہ آیا اور انہیں خیال پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ آپؐ عمرہ کے بہانے ان کا شہر ہی فتح کر لیں اس لئے انہوں نے حضورؐ کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اس سال تو مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں البتہ آئندہ سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت ہو گی۔ اس موقع پر ایک صلحنامہ مرتب کیا گیا جس میں متعدد شرائط درج تھیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہونا چاہے وہ ان کے ساتھ ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ ہونا چاہے وہ ان کے ساتھ ہو جائے۔ اس صلح نامہ کے بعد بنی خزاعہ حضور کی سرپرستی میں اور بنی بکر قریشؓ کی حمایت میں آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد بنو بکر کے ایک شخص نے بنو خزاعہ کے ایک

شخص کو جو حضورؐ کی سرپرستی میں آچکا تھا قتل کر دیا۔ اس پر دونوں قبیلوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ اور قریش نے صلح حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو بکر کو امداد دی۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی اور بنو بکر اور قریش نے مل کر بنو خزاعہ کے بے شمار افراد کو قتل کر دیا۔ آخر بنو خزاعہ کا ایک نمائندہ فریاد لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے امداد کی درخواست کی۔ چونکہ قریش نے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے جو حضورؐ کی سرپرستی میں آچکے تھے صلح حدیبیہ کی ایک بڑی شرط کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی تھی اس لئے حضورؐ نے ان کی عہد شکنی کے پیش نظر مکہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ادھر ابوسفیان کو اندیشہ پیدا ہوا کہ ہماری طرف سے صلح حدیبیہ کی ایک بڑی شرط کی خلاف ورزی ہوئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ معاہدہ کے خاتمہ کا اعلان کر دیں — چنانچہ وہ تجدید عہد کی غرض سے مدینہ آیا۔

ابوسفیان کی ایک اور ناکامی

مدینہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے ام حبیبہؓ کے پاس گیا جو اس کی بیٹی اور حضورؐ کی زوجۂ مکرمہ تھیں۔ گھر میں داخل ہو کر جونہی وہ بستر پر بیٹھا ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اس کے نیچے سے

بستر کھینچ لیا اور کہا کہ تم جیسا ناپاک شخص اس قابل نہیں ہے کہ وہ رسول
خدا کے اس پاک بستر پر بیٹھے۔ اپنی بیٹی کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر ابوسفیان
وہاں سے اٹھ کر رسول اللہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ
سے گفتگو کرنا چاہی مگر حضورؐ نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ تب
وہ مایوس ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ میں
تجدید صلح کے لئے آیا ہوں، آپ اس باب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے پاس جا کر گفتگو کریں مگر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں اس
معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ابوسفیان حضرت عمرؓ کے
پاس گیا اور ان سے بھی وہی گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے بڑی سختی
سے جواب دیا کہ میں ہرگز تیری سفارش نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم میں تو اس
وقت تک تیرے ساتھ جنگ کروں گا جب تک ایک تنکا بھی میرے
پاس رہے گا۔

حضرت عمرؓ کے پاس سے ناکام ہو کر ابوسفیان حضرت علیؓ کی
خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے بھی وہی عرض کیا جو حضرت ابوبکرؓ
اور حضرت عمرؓ سے کہہ چکا تھا اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں ایک
سائل کی حیثیت سے آپؓ کے پاس آیا ہوں اگر میں آپؓ کے پاس
سے بھی ناکام واپس گیا تو میری بہت ذلت ہو گی۔ حضرت علیؓ نے

فرمایا میں ایسے کسی طریقہ سے واقف نہیں ہوں جو تمہارے لئے مفید ہو۔ البتہ یہ کرو کہ مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کردو کہ میں تمہارے اور اپنے درمیان پناہ قائم کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا اور پھر مکہ کو چلا گیا وہاں پہونچکر قریش نے پوچھا کہ کیا کرکے آئے۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو مجھ سے بات نہیں کی۔ اس کے بعد میں ابوبکرؓ کے پاس گیا مگر ان میں بھی اپنے لئے کوئی فلاح نظر نہیں آئی۔ پھر میں عمرؓ کے پاس گیا، وہ تو سب سے زیادہ سخت نکلے۔ اس کے بعد میں علیؓ سے ملا۔ البتہ انہیں میں نے بہت نرم مزاج پایا۔ انہوں نے مجھے ایک طریقہ سمجھایا وہی میں نے اختیار کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ علیؓ نے تمہیں کون سا طریقہ بتایا۔ ابوسفیان نے کہا کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو کر پناہ کا اعلان کردو۔ چنانچہ میں نے یہ اعلان کر دیا اس پر لوگوں نے پوچھا کہ اس پناہ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی تسلیم کیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ انہوں نے تو تسلیم نہیں کیا۔ اس پر قریش نے کہا کہ اے ابوسفیان! علیؓ نے تجھ سے مذاق کیا۔ اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

ابوسفیان اسلام قبول کرتا ہے

قریش مکہ کی طرف سے صلح حدیبیہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی دیکھ کر حضورؐ نے مسلمانوں کا لشکر مرتب کیا اور مکہ کی جانب کوچ کر دیا مکہ سے تھوڑی دور ظہران کے مقام پر پہنچ کر حضورؐ نے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ شاید اہل لشکر نے کھانا وغیرہ تیار کرنے کے لئے آگ روشن کی۔ اس کی روشنی دور دور تک پہنچی۔ چنانچہ مکہ والوں نے بھی یہ روشنی دیکھی اور ان کی طرف سے ابوسفیان ایک شخص بدیل بن ورقا کو لے کر حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے آیا۔ دونوں مسلمانوں کے لشکر سے تھوڑی دور بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اتنی تیز روشنی کس چیز کی ہو سکتی ہے کہ اتنے میں حضرت عباسؓ کا ادھر سے گذر ہوا انہوں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی۔ دور سے پکار کر کہا اے ابوسفیان! تجھ پر خرابی آئے تجھے معلوم نہیں کہ یہ رسولِؐ خدا کا لشکر ہے اور وقت آگیا ہے کہ قریش ہلاک کئے جائیں۔

ابوسفیان حضرت عباسؓ کی گفتگو سن کر گھبرا گیا اور ان سے کہنے لگا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان بچاؤ کا کوئی طریقہ بتایئے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے تجھے دیکھ لیا تو تو قتل کئے بغیر

نہ چھوڑے گا۔ اس نئے تو میرے خچر پر بیٹھ جائیں تجھے رسول اللہؐ کے سامنے پیش کر کے سفارش کروں گا کہ اسے امن دی جائے۔

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اپنے خچر پر بٹھا کر حضورؐ کی خدمت میں لے چلے۔ راستے میں حضرت عمرؓ ملے انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا اور دیکھتے ہی بولے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے دشمن (ابوسفیان) پر مجھے قابو عطا فرمایا۔ یہ کہہ کر رسول اللہؐ کی طرف دوڑے تاکہ حضورؐ سے ابوسفیان کے قتل کی اجازت لے لیں۔ حضرت عباسؓ نے بھی اپنے خچر کو تیزی سے دوڑایا کہ حضرت عمرؓ کے پہونچنے سے قبل ہی حضورؐ سے اس کے لئے امن حاصل کر لیں۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ سے پہلے رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمرؓ بھی پہنچ گئے اور حضورؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ ابوسفیان ہمارے قابو میں آگیا ہے اور ہم نے اس سے جاں بخشی کے متعلق کوئی پیمان بھی نہیں کیا ہے۔ اس لئے آپ مجھے اسے قتل کرنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ اتنے میں حضرت عباسؓ بولے کہ یا رسول اللہؐ میں نے اسے امان دی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ کے درمیان اس بارے میں کچھ بحث و مباحثہ ہوا۔ جسے سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ اے عباسؓ اس وقت تو

تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جب صبح ہو تو اسے میرے سامنے پیش کرنا۔

دوسرے روز صبح کو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ابوسفیان! تجھ پر خرابی آئے کیا تیرے نزدیک ابھی وقت نہیں آیا کہ تو خدا کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا اقرار کرے۔ ابوسفیان بولا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپؐ کتنے حلیم و بردبار ہیں۔ اب مجھے یقین آگیا ہے کہ خدا کے سوائے اور کوئی معبود نہیں ہے اگر کوئی اور معبود ہوتا تو ہیں ضرور کامیاب ہوتا۔ اس کے بعد حضورؐ پھر اس کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوسفیان! کیا اب بھی تجھے میری رسالت پر یقین نہیں آیا۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ میرے ماں باپ حضورؐ پر قربان آپؐ کتنے کریم النفس اور بردبار ہیں اور کس قدر صلہ رحمی کرتے ہیں مگر میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپؐ کی رسالت کے متعلق میرے دل میں شک ہے۔ یہ سن کر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا کہ کمبخت تجھ پر خرابی آئے کہہ دے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ چنانچہ ابوسفیان نے جلدی سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہؐ کہہ کر اسلام قبول کر لیا۔

(سیرت ابن ہشام)

ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ رسول اللہؐ اور اسلام کی دشمنی میں اپنے شوہر سے بھی پانچ ہاتھ آگے تھی چنانچہ جب ابو سفیان نے مکہ آکر اعلان کیا کہ لوگو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں جس کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے اس لئے جو شخص اپنی جان کی خیر چاہتا ہے وہ میرے گھر میں آجائے تو ہندہ نے آگے بڑھ کر ابو سفیان کی مونچھ پکڑ لی اور قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اس مسٹنڈے پہلوان کو قتل کر دو جو ایک معمولی لشکر کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا ہے۔

رسول اللہؐ اور اسلام کے اسی بدترین دشمن ابو سفیان کے بیٹے امیر معاویہؓ تھے اور رسول اللہ کی سخت ترین دشمن ہندہ امیر معاویہؓ کی ماں تھیں۔ یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ اسلام لے آئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ایک زمانہ میں اسلام کی زبردست خدمت بھی کی مگر واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ان کا دل بھی اپنے باپ کی طرح بنو ہاشم کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اور جس جذبہ کے تحت ان کے باپ ابو سفیان نے رسول اللہ کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کی۔ اسی جذبہ کے تحت ابو سفیان کے بیٹے امیر معاویہؓ نے رسول اللہؐ کے بھائی اور داماد حضرت علیؓ کی اسلامی حکومت کے

قیام و استحکام میں زبردست رکاوٹیں ڈالیں اور امت مسلمہ میں نفاق و انتشار پیدا کر کے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے سرزمین عرب کو لالہ زار بنا دیا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ امیر معاویہؓ کو بنو ہاشم کا اقتدار ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ یہ کوئی نئی یا عجیب بات نہ تھی اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں بنو امیہ میں سے ایک نہ ایک شخص بنو ہاشم کی مخالفت کے لئے میدان میں ضرور نکلتا رہا چنانچہ ہاشم کے مقابلے میں عبد شمس، عبد المطلب کے مقابلے میں امیہ، ابو طالبؑ کے مقابلے میں حرب، محمد رسول اللہ کے مقابلے میں ابو سفیان، علیؓ کے مقابلے میں معاویہؓ اور حسینؓ کے مقابلے میں یزید طاقت آزمائی کے لئے میدان میں نکلتے رہے۔ کیا واقعات کے اس طویل سلسلے کو محض اتفاق قرار دیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو مختلف مکاتیبِ فکر کا ٹکراؤ اور خیر و شر کا معرکہ تھا جو مختلف زمانوں میں ظہور پذیر ہوتا رہا اور اس کی بنیاد نسلی یا قبائلی عصبیت پر تھی۔ اسی نسلی عصبیت نے امیر معاویہؓ کو حضرت امام حسنؓ کی مخالفت پر آمادہ کیا اور وہ ایک خلیفۂ راشدہ کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ

معاویہؓ بن ابوسفیان

سیدنا حضرت امام حسنؓ کے مختصر سے عہدِ خلافت میں جو واقعات رونما ہوئے۔ ان کا امیر معاویہؓ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امامؑ کے اس سب سے بڑے حریف کے حالات زندگی اور اس کی شخصیت پر ایک اجمالی تبصرہ کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ جس شخص سے حضرت امام حسنؓ کا سابقہ پڑا وہ کس مرتبہ اور کس مسلک کا آدمی تھا۔

ابتدائی حالات

امیر معاویہؓ بنوامیہ کے سردارِ قبیلہ ابوسفیان بن حرب کے بیٹے تھے۔ وہ مکہ میں بعثت نبوی سے دو سال قبل ۶۰۸ء میں پیدا ہوئے ان کی عمر تئیس ۲۳ سال کی تھی کہ ان کے والد کی انتہائی کوشش کے

باوجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور ابوسفیان، ہندہ، امیر معاویہؓ اور ان کے بھائی یزیدؓ بن ابوسفیان نے بادلِ ناخواستہ رسول اللہؐ کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ حضورؐ نے تالیفِ قلوب کے طور پر امیر معاویہؓ کو اپنا کاتب مقرر کر لیا۔ یہ امر بحث طلب ہے کہ امیر معاویہؓ کاتبِ وحی تھے یا حضورؐ ممالک غیر سے جو مراسلت فرماتے تھے اس کی کتابت کا فریضہ ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ بہرحال ایک قلیل مدت کے لئے انہیں رسول اللہ کا کاتب رہنے کا شرف ضرور حاصل ہوا۔

معاویہؓ مسندِ امارت پر

حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے رومیوں کی سرکوبی کے لئے جو چار لشکر مرتب فرمائے ان میں سے ایک لشکر کا قائد امیر معاویہؓ کے بھائی یزیدؓ بن ابوسفیان کو مقرر کیا۔ امیر معاویہؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے اور ہراول دستے کے کمانڈر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس مہم میں یزید بن ابوسفیانؓ اور امیر معاویہؓ دونوں نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ (۱؎ فتوح البلدان ص۱۲۳)

دمشق اور اس کے مضافات کی فتح میں گو زیادہ حصہ یزید بن ابوسفیان

تھا مگر ان معرکوں میں امیر معاویہؓ کی جنگی خدمات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جب دمشق فتح ہو گیا اور اسلامی فوجوں نے اردگرد کے مقامات پر بھی ہلالی پرچم لہرا دیا تو حضرت عمرؓ نے یزید بن ابو سفیان کو ان علاقوں (دمشق اور مضافات) کا گورنر مقرر کیا۔ ۱۸ھ میں یزید بن ابو سفیان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو دمشق اور اس کے مضافات کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہؓ کو سارے شام کا گورنر بنا دیا۔

اسلامی فتوحات میں امیر معاویہؓ کا حصہ

امیر معاویہؓ کا سخت سے سخت ناقد بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو اسلامی فتوحات ہوئیں ان میں امیر معاویہؓ نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ دمشق کی فتح کے بعد جب یزید بن ابو سفیان نے عرقہ، جبیل، بیروت اور صیدا کی طرف پیش قدمی کی تو ان مہمات میں ہراول دستوں کی قیادت امیر معاویہؓ ہی نے کی اور عرقہ کی فتح کا سہرا تو انہیں کے سر بندھتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دور میں شام کے بعض

علاقوں میں جب زبردست بغاوت رونما ہوئی۔ اور متعدد شہر اسلامی سلطنت سے نکل گئے تو حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ ہی کو ان علاقوں کی بازیابی پر مقرر فرمایا اور امیر معاویہؓ نے بڑی بہادری سے یہ سارے علاقے دشمن کے قبضہ سے نکال کر از سر نو اسلامی مملکت میں شامل کئے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۶)

امیر معاویہؓ نے جو مہمات سر انجام دیں ان میں قیساریہ کی مہم بڑی اہم تھی۔ قیساریہ رومیوں کی زبردست چھاؤنی تھی۔ جہاں سے نکل نکل کر وہ اسلامی سلطنت پر حملے کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو حکم دیا کہ قیساریہ کی تسخیر کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ معاویہؓ آزمودہ کار عربوں کا ایک لشکر لے کر قیساریہ پہونچے۔ رومی سپہ سالار نے ان کا زبردست مقابلہ کیا مگر آخر کار شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا۔ معاویہؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں رومیوں نے شہر سے نکل نکل کر امیر معاویہؓ کے لشکر پر متعدد حملے کئے مگر انہیں ہر حملے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر ایک شدید جنگ کے بعد رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قیساریہ پر امیر معاویہؓ نے قبضہ کر لیا۔ (طبری ص ۲۳۹۷)

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں امیر معاویہؓ کو اپنے جوہر دکھانے کا خوب موقع ملا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں شام

کا گورنر مقرر کرنے کے علاوہ جنگی امور کا نگران بھی مقرر کر دیا تھا۔ اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے طرابلس الشام، ملطیہ، عموریہ، شمشاط اور قبرص تک اسلامی سلطنت کو وسیع کر دیا۔

(فتوح البلدان ص ۱۳۳، ابن اثیر جلد سوم ص ۷۶)

امیر معاویہؓ بحیثیت بادشاہ

سنہ ۴۱ھ میں جب امیر معاویہؓ تمام عالم اسلام کے مطلق العنان فرماں روا ہو گئے تو انہوں نے اسلامی سلطنت کی توسیع کی طرف خاص توجہ دی۔ ان کے حکمراں ہونے کے بعد بلخ، ہرات اور باذغیس وغیرہ میں زبردست بغاوت رونما ہوئی۔ امیر معاویہؓ کے حکم سے قیس بن ہیثم کو ان بغاوتوں کے استیصال کے لئے مقرر کیا گیا۔ اور قیس نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے ایک ایک بغاوت کو فرو کر کے سارے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح کابل اور غور کے علاقوں کے لوگوں نے بھی سنہ ۴۳ھ میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ مگر امیر معاویہؓ کے جرنیلوں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حکم بن عمرو غفاری نے ان بغاوتوں کو بھی فرو کر دیا اور ان علاقوں میں مکمل امن وامان قائم ہو گیا۔

(ابن اثیر جلد سوم ص ۳۵۰، ص ۳۸۰)

ان بغاوتوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ امیر معاویہؓ نے اپنے جرنیلوں کو ان علاقوں کو فتح کرنے کا بھی حکم دیا جو ابھی تک اسلامی سلطنت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اور موقع ملنے پر ان علاقوں کے حکمران مسلمانوں پر یورش کرتے رہتے تھے۔ زران، عوز، غزنہ، طخارستان، رامنی اور بیکند کے علاقے ایسے ہی حکمرانوں کے زیر تسلط تھے جن کی سرکوبی کی سخت ضرورت تھی تاکہ مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے جرنیلوں نے ان علاقوں پر حملے کر کے انہیں بھی سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا۔ ان فتوحات سے امیر معاویہؓ کے جرنیلوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے ترکستان کا رخ کیا اور سمرقند، بخارا، نسف، ترمذ اور اس کے مضافات پر حملے شروع کر دیئے۔ ان علاقوں کے لوگوں نے بڑی بہادری اور پامردی سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور بعض جگہ بڑی خونریز جنگیں ہوئیں مگر یہاں بھی میدان امیر معاویہؓ کے جرنیلوں ہی کے ہاتھ رہا۔ (بلاذری ص۱۷۱)

امیر معاویہؓ کی انتظامی قابلیت

امیر معاویہؓ زبردست انتظامی قابلیت کے مالک تھے۔ حکمرانی

کی صلاحیتیں ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ انہوں نے بیس سال تک شام کی گورنری اور بیس ہی سال تک سارے عالم اسلام پر حکمرانی کی۔ اپنے عہد حکمرانی میں انہوں نے فوج، سیاست اور دفتری نظام میں متعدد اصلاحات کیں۔ ان کی طبیعت میں اختراع کا بے حد مادہ تھا۔ اس لئے انہوں نے متعدد جدید شعبے قائم کئے اور حقیقت یہ ہے کہ ان شعبوں کے قیام سے ملکی انتظام نہایت بہتر ہوگیا۔

فوجی انتظامات

انہوں نے فوج کی تنظیم کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی، تمام سرحدی مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں اور تمام بڑے بڑے شہروں میں مستحکم قلعے بنوائے۔ شام، مدینہ، مرقیہ، طرطوس اور روڈس کے مضبوط قلعے جو امیر معاویہؓ نے حفاظتی مقاصد کے لئے تعمیر کرائے تھے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے قلعے جو ان کے پیش رو خلفاء نے بنوائے تھے، اور کسی وجہ سے ویران یا مسمار ہو گئے تھے امیر معاویہؓ نے ان کی مرمت کرا کر دوبارہ قابلِ استعمال بنایا۔ (فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰/۱۷۰)

بعض نئے شہر بھی امیر معاویہؓ نے آباد کرائے اور بعض مقبوضات

میں مسلمانوں کو کثیر تعداد میں آباد کیا تاکہ وہاں کی مقامی آبادی شرانگیزی نہ کر سکے۔ امیر معاویہؓ کے آباد کردہ شہروں میں مرعش اور قیرون کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

بحری بیڑے کا قیام

امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا بحری بیڑہ قائم کیا۔ اس بحری بیڑے کو ترقی دینے کے لئے انہوں نے جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے۔ انہوں نے بحری بیڑے کو بری فوج سے علیحدہ کر کے ایک مستقل شعبہ کی حیثیت دی اور اس کا الگ کمانڈر انچیف مقرر کیا جسے امیر البحر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلا امیر البحر جسے تاریخ اسلام کا سب سے پہلا امیر البحر کہنا چاہیئے۔ عبداللہ بن قیس حارثی تھا۔

ڈاک کا انتظام

امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں جو اصلاحات کیں ان میں ڈاک کے انتظام کی بہتری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ڈاک کی چوکیاں قائم کیں جن کا جال ساری سلطنت

میں پھیلا ہوا تھا۔ ان چوکیوں میں برق رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے جن کے ذریعہ سے ڈاک ایک شہر سے دوسرے شہر تک نہایت آسانی اور بہت تیزی سے پہونچتی رہتی تھی۔ ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لئے انہوں نے تمام بڑے بڑے شہروں میں پرچہ نویس مقرر کر دیے تھے جو چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کی اطلاع بھی امیر معاویہؓ تک پہونچاتے رہتے تھے۔

زرعی ترقی کیلئے اقدامات

امیر معاویہؓ کو ملک کی خوش حالی اور فارغ البالی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ اس کا سب سے زیادہ انحصار زراعت پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے زراعت کی ترقی کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں اور برساتی پانی کو محفوظ کرلے کے لئے تالاب بنوائے یہ تالاب اور نہریں شام، حجاز، خراسان اور ترکستان میں بکثرت تعمیر کرائی گئیں۔ بعض جگہ ان نہروں کے لئے پہاڑوں تک کو کاٹنا پڑا اور پہاڑ کاٹ کر نہریں نکالی گئیں۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم صـ۱۶۹)

دفترِ خاتم

امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ایک نیا انتظامی شعبہ قائم ہوا جس کا اس سے پہلے وجود نہیں تھا۔ یہ شعبہ دفتر خاتم کہلاتا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک شخص کو امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم دیئے جانے کا حکم لکھا۔ اس شخص نے یہ حکم نامہ کھول کر پڑھا اور اس میں ایک لاکھ کو دو لاکھ بنا کر دوگنی رقم وصول کر لی۔ جب امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حکم دیا کہ آئندہ سے میرے ہر فرمان کی ایک نقل دفتر میں رکھی جایا کرے اور فرمان کو لفافے میں بند کر کے اس پر مہر لگا دی جایا کرے تاکہ راستے میں اسے کوئی نہ کھول سکے چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک نیا شعبہ قائم کیا گیا اس شعبہ کو دفتر خاتم کہا جاتا تھا۔ (الفخری ص ۹۷)

داخلی امن کی کوششیں

امیر معاویہؓ اس نکتے سے خوب واقف تھے کہ جب تک ملک کے اندر امن و امان نہیں ہو گا اور لوگ بے خوف و مطمئن نہیں ہوں گے اس وقت تک ملک کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ اس

مقصد کے لئے انہوں نے محکمۂ پولیس کی تنظیم نو کی طرف خاص توجہ دی۔ اور اس کی تعداد میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ پولیس افسروں کے اختیارات بھی وسیع کئے۔ فسادی اور بدمعاش عنصر کی نگرانی کا خاص اہتمام کیا اور اپنے عمال کو حکم دیا کہ ہر شہر میں اوباش اور مفسد لوگوں کو تلاش کر کے ان کے نام رجسٹر میں درج کئے جائیں اور ان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جائے۔ پولیس کی ایک جماعت کی ڈیوٹی صرف یہ تھی کہ وہ گلیوں اور بازاروں میں گشت کر کے بدمعاشوں کی نگرانی کیا کرتی تھی۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۷۸)

امیر معاویہؓ کی شخصیت

امیر معاویہؓ کا عہد حکومت اور ان کی انتظامی قابلیت کو دیکھ کر اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے سیاست داں، بہت بڑے مدبر اور بہت بڑے منتظم تھے بلکہ ان جیسی شخصیت عالم اسلام میں ان کے بعد کم ہی پیدا ہوئی۔ ان میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کی غیر معمولی صلاحیت تھی اور مردم شناسی میں تو وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ انہوں نے جن لوگوں کو اپنا دست و بازو بنایا وہ بھی

انہیں کی طرح تدبر و فراست اور سیاست دانی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ عمروؓ بن العاص، مغیرہؓ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ عرب کے وہ عقلاء تھے جنہوں نے امیر معاویہؓ کے راستے کی ساری رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ ان کی تمام مشکلوں کو آسان کر دیا اور ان کی سلطنت کو زبردست استحکام بخشا۔ معاویہؓ حلم و بردباری اور فیاضی کی صفات سے بھی متصف تھے۔ ان کا دسترخوان بھی بڑا وسیع تھا۔ اپنے مخالفوں کو زیر کرنے کے لئے ان کا سب سے بڑا ہتھیار روپیہ تھا۔ وہ دولت سے اپنے بڑے بڑے دشمنوں کا منہ بند کر دیا کرتے تھے۔ ان کی بردباری اور حلم تو ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک بار انہوں نے بعض سرداران قبائل میں درہم و دینار تقسیم کئے ان میں سے ایک سردار کو کچھ کم ملا۔ اس سردار نے اس تھوڑی رقم کو اپنی ہتک سمجھا اور اپنے بیٹے کو درہموں کی وہ تھیلی دے کر کہا کہ یہ لے جا کر معاویہؓ کے منہ پر مار دینا۔ بیٹا باپ کے حکم کی تعمیل میں معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ آپ نے میرے والد کو جو رقم دی ہے وہ دوسرے سرداروں سے کم ہے اس لئے انہوں نے واپس کر دی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ یہ تھیلی آپ کے منہ پر مار دوں۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور اس سے

کہا کہ اے میرے بھتیجے! اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کرو۔ لیکن ذرا خیال رکھنا کہ تمہارا چچا اب بوڑھا ہو گیا ہے (یعنی تھپلی آہستہ سے مارنا)

لڑکے پر امیر معاویہؓ کی اس عدیم المثال بردباری کا اتنا اثر ہوا کہ تھیلی رکھ کر واپس چلا گیا اور اپنے باپ کو سارا ماجرا سنایا۔ باپ معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اس فعل پر سخت ندامت کا اظہار کیا۔

یہ امیر معاویہؓ کی وہ خوبیاں اور ان کے وہ کمالات ہیں جن کے اظہار میں بخل سے کام لینا سراسر تعصب ہے یا بددیانتی۔ لیکن اسی طرح ان کی شخصیت کے دوسرے پہلو کو چھپا لینا بھی پرلے درجے کا تعصب اور بددیانتی ہے۔ ان کی شخصیت کا متذکرہ پہلو جتنا روشن ہے افسوس کہ دوسرا پہلو اسی قدر تاریک ہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ معاویہؓ اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ایک دنیا دار حکمران تھے ان کی ساری زندگی اس کی گواہ ہے کہ ان میں نسلی عصبیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک خلیفۂ راشد کی مخالفت صرف اس لئے کی کہ وہ بنو ہاشم میں سے تھا اور بنو ہاشم سے ان کی خاندانی دشمنی تھی۔ امیر المومنین سیدنا حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کرنا اور انہیں ایک ایسی جنگ پر مجبور کر دینا جس میں ہزاروں مسلمان خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو گئے امیر معاویہؓ کی

اتنا بڑی خطا ہے جسے کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ اسے امیر معاویہؓ کی اجتہادی غلطی قرار دے کر ان کی اس خطا کی نوعیت کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں لیکن اس قسم کے لوگ اپنے نفس کو بھی فریب دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی۔

خلیفۂ وقت سے بغاوت

جو لوگ امیر معاویہؓ کے باغیانہ اقدامات کے جواز میں یہ عذر تراشتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کا خیال تھا کہ چونکہ حضرت علیؓ کی بیعت سارے عالم اسلام نے نہیں کی ہے اس لئے مجھ پر بھی ان کو بیعت کرنا لازم نہیں آتا۔ اس قسم کے کوتاہ بین اور متعصب لوگوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا امیر معاویہؓ کو معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ سے پہلے انعقادِ خلافت کا طریقہ یہی تھا کہ جب اہل مدینہ کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے تو اس کی خلافت قائم ہو جاتی تھی۔ کیا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ۔ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت اہل مدینہ کی بیعت سے قائم نہیں ہوئی تھی اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ جب اہل مدینہ نے ان تینوں خلفاء کی بیعت کر لی تو سارے عالم اسلام پر ان کی بیعت کرنے کے لئے حجت قائم ہو گئی۔ اب رہا یہ امر کہ سارے اہل مدینہ نے

حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی یا نہیں تو اس کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے متابعد ذی الحجہ
کے آغاز میں حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کی گئی
اس بیعت میں مدینہ کا ہر وہ شخص شریک ہوا جو اس
وقت مدینہ میں موجود تھا۔ تمام اسلامی ملکوں میں
اس بیعت کی اطلاع بھیجی گئی اور ہر شہر کے لوگوں
نے برضا و رغبت حضرت علیؓ کی اطاعت اختیار
کی۔ صرف معاویہؓ اور اہل شام نے انکار کیا"

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ہفتم ص۵۸۶)

اس مستند ترین حوالے سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعت اہل مدینہ نے کر لی تھی بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوائے شام کے سارے عالم اسلام نے آپ کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا تھا۔

اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مدینہ کے دس پانچ افراد نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی تو ان کے بیعت نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے موقع پر رسول اللہ کے جاں نثار اور جید صحابی حضرت سعد بن عبادہ

(رضی اللہ عنہ) نے آپ کی بیعت کرنے سے انکار کیا تھا اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ کیا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ان تھوڑے سے افراد کے بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی۔ یہی موقف اہل سنت کے امام اور مجددِ وقت حضرت امام ابن تیمیہؒ نے بھی اختیار کیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ :-

اور جن لوگوں نے ان (حضرت علیؓ) کی بیعت نہیں کی ان کا بیعت نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے سعدؓ بن عبادہ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے دستکش رہنا۔ (منہاج السنۃ جلد دوم صـ۲۰۴)

اس سے امام ابن تیمیہؒ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی مگر اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم ہو گئی تھی۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تو اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ اپنے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت علیؓ کی خلافت اہلِ شوکت کی بیعت

سے قائم ہوئی تھی گو سارے عالم اسلام نے
ان کی بیعت نہیں کی جیسے ان سے پہلے خلفاء کی
بیعت کی گئی تھی (اور یہ بیعت نہ کرنے والے
اہل شام تھے ۔ مصنف) لیکن اس میں شبہ
نہیں کہ اہل شوکت کی بیعت نے ان کی خلافت کو
طاقت عطا کی تھی اور نص ظاہر کرتی ہے کہ ان کی
خلافت، خلافتِ نبوت تھی۔" (منہاج السنۃ جلد دوم ص۲۰۴)

امیر معاویہؓ کی غلطی کو خطائے اجتہادی قرار دینے والوں سے ہم سوال کرتے ہیں کہ خلافتِ نبوت سے بغاوت کرنا کوئی معمولی خطا ہے اور کیا اسے صرف اجتہادی خطا کہہ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امیر معاویہؓ کے مزاج میں سرکشی اور نافرمانی کا مادہ تھا۔ اور وہ خود اپنی خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا۔ انہوں نے جان بوجھ کر حضرت علیؓ کی بیعت سے انحراف کیا اور اس طرح امت میں پہلی بار مرکز سے بغاوت کرنے کی روایت قائم کی جس نے سارے اسلامی نظام کو تہہ و بالا کر دیا اور جنگ و جدال کا وہ لامتناہی سلسلہ چل نکلا جس نے عالم اسلام کی جڑیں ہلا دیں۔ انہوں نے امت میں نفاق و

انتشار پیدا کیا اور مسلمانوں کو مستقلاً دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ جو آج تک ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔

دولت کا بے جا مصرف

چونکہ امیر معاویہؓ نے بنیادی طور پر غلط قدم اٹھایا تھا۔ اس لئے اس غلط اقدام کے لئے انہوں نے جو سہارے لیے، وہ بھی غلط تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انہوں نے جس شخص کے خلاف بغاوت کی ہے وہ کوئی معمولی شخصیت کا حامل نہیں ہے۔ علیؓ کے مقابلے میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا آسان نہ تھا اس لئے اس مقصد کی خاطر انہوں نے تھیلیوں کے منہ کھول دیئے اور وہ روپیہ جسے مسلمانوں کی امانت کہنا چاہیئے انہوں نے بڑی بے دردی سے سردارانِ قبائل کو رشوتیں دینے پر صرف کیا تاکہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں وہ زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کر سکیں۔ امیر معاویہؓ سے پہلے اسلام میں اس قسم کی بدعت کا سراغ نہیں ملتا ہے کہ کسی خلیفہ راشد نے اپنے مخالفوں کو زیر کرنے کے لئے رشوتیں دی ہوں۔ وہ قدسی نفوس اسلامی بیت المال کو اللہ کی امانت سمجھا کرتے تھے اور باغیوں کو ہمیشہ تلوار سے سیدھا کرتے تھے مگر امیر معاویہؓ نے خالصتہً دنیا دار لوگوں کا طریقہ اختیار کر کے اپنے

بعد آنے والوں کے لئے ایک بُری مثال قائم کی چنانچہ ایک بڑا ثقہ مورخ لکھتا ہے کہ :

"ایک بار امیر معاویہؓ نے بعض سرداران قبائل کو ایک لاکھ درہم دیئے۔ ان سرداروں میں ابو منازل بھی تھا جسے معاویہؓ نے پچھتر ہزار درہم عطا کیئے۔ یہ بات ابو منازل کو بہت ناگوار گذری اور اس نے معاویہؓ سے کہا کہ تم نے مجھے بنو تمیم میں ذلیل کر دیا۔ کیا تم مجھے حسب نسب کے لحاظ سے ممتاز اور عمر کے لحاظ سے قابل عزت نہیں سمجھتے ہو اور کیا مجھے اپنی قوم کی سرداری کا فخر حاصل نہیں ہے۔

اس پر امیر معاویہؓ نے کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں مجھے آپ کے سارے فضائل کا اعتراف ہے اس پر ابو منازل بولا پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے دوسرے سرداروں کے مقابلے میں مجھے کم رقم دی۔

معاویہؓ نے جواب دیا کہ انہیں زیادہ رقم دے کر میں نے ان کا دین بھی خرید لیا ہے اور آپ چونکہ حضرت عثمانؓ کے مداحوں میں سے ہیں اس لئے میں نے

آپ کا دین آپ کے پاس ہی رہنے دیا۔ اس پر
ابومناذل نے کہا کہ تم میرا دین بھی خرید لو۔ چنانچہ
معاویہؓ نے ابومناذل کو بھی اتنی ہی رقم دے دی
جتنی دوسروں کو دی تھی۔" (عقد الفرید جلد اول ص۲۳۶)

یہ ایک مثال ہے جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی ساری زندگی اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور بلا شبہ یہ ان کی سیاست کا افسوسناک پہلو ہے یہ طرز سیاست لوگوں کو عارضی طور پر تو بادشاہوں کا مطیع بنا دیتا ہے لیکن اس اطاعت کو مستقل اور مخلصانہ اطاعت نہیں کہا جا سکتا اور یہ طریق کار بعد میں آنے والے حکمرانوں کے لئے بڑی مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔

سودا بازی

امیر معاویہؓ کی سیاست کا دوسرا افسوسناک پہلو سیاسی سودا بازی ہے، وہ ہر اس شخص سے گٹھ جوڑ کر لیتے تھے جو ان کی مطلب برآری کے لئے مفید ہوتا تھا۔ انہوں نے سرداران قبائل اور بعض سربرآوردہ لوگوں کو رشوتیں دے دے کر اس لئے اپنے ساتھ

ملا لیا کہ انہیں ان لوگوں سے حصولِ مقصد میں اعانت کی توقع تھی، امیر معاویہؓ کو خوب معلوم تھا کہ عمروؓ بن العاص اپنی غیر معمولی فراست اور عدیم النظیر سیاست کے لحاظ سے عرب کے معدودے چند لوگوں میں سے ہیں اگر وہ میرے ہمنوا ہوجائیں تو حضرت علیؓ کو ناکام بنانا آسان ہوجائے گا۔ چنانچہ انہوں نے عمروؓ بن العاص کو فلسطین سے بلوایا اور امداد کی درخواست کی۔ عمرو بن العاص نے ان کی امداد کے لئے اپنی خدمات پیش کردیں مگر شرط یہ رکھی کہ اگر میں مصر حضرت علیؓ کے قبضے سے نکال دوں تو مجھے اس کا گورنر بنا دیا جائے اور تاحینِ حیات اس عہدہ پر برقرار رکھا جائے۔ چنانچہ معاویہ نے عمروؓ بن العاص کی یہ شرط منظور کرلی۔ (الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۶)

کیا اس طریق کار کو سودا بازی کے علاوہ کسی اور نام سے یاد کیا جاسکتا ہے اور کیا اس طریق کار سے دونوں کے کردار کا کوئی قابلِ تعریف نقش دل پر قائم ہوتا ہے؟ یہ بھی خیال رہے کہ یہ سودا بازی کس کے خلاف ہو رہی ہے؟ اس شخص کے خلاف جسے سوائے شام کے ساری امت خلیفہ تسلیم کرچکی ہے جو اپنی نیک نفسی، پارسائی، تقویٰ اور قربت رسولؐ کے لحاظ سے ساری امت میں ممتاز ہے۔ اور جس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد ہے کہ :۔

"حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے زیادہ
خلافت کا کوئی حقدار نہیں ہے جن سے رسول اللہ
اپنے وصال کے وقت تک خوش رہے۔ پھر
(حضرت عمرؓ نے) علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اور
عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے نام لئے۔"

(ازالتہ الخلفاء حصہ اوّل ص۱۴۱)

خیال رہے کہ ان لوگوں میں امیر معاویہؓ کا نام سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور علیؓ کا نام سرفہرست ہے۔

پروپیگنڈے کا گھٹیا طریقہ

امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے سب سے بڑا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے قاتلانِ عثمانؓ سے انتقام نہیں لیا گویا ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ قطع نظر اس کے کہ جن حالات میں یہ واقعہ پیش آیا تھا ان میں انتقام لیا جا سکتا تھا یا نہیں اور پہلے مقتول خلیفہ کا انتقام لینا ضروری تھا یا سلطنت کو مستحکم کرنا اور امن و امان قائم کرنا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ کی طرف سے انتقام لینے کا حق کس نے دیا۔ کیا

حضرت عثمانؓ کے بیٹے مہیں تھے۔ ان کے اصل وارث تو ان کے بیٹے تھے۔ اور ان کی طرف سے انتقام لینے کا مطالبہ کسی حد تک معقولیت پر بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ کے ساتھ تو حضرت عثمانؓ کا کوئی رشتہ ہی نہیں تھا۔ پھر ان کا انتقامِ عثمانؓ کا مطالبہ کہاں تک جائز قرار دیا جا سکتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ مظلوم اور مقتول خلیفہ کے انتقام لینے کا مطالبہ ہر مسلمان کی طرف سے ہو سکتا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انتقام لینے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ اس معاملہ کو حاکم وقت کے سامنے پیش کرنا چاہیے تھا۔ اگر امیر معاویہؓ کا یہ مطالبہ اخلاص پر مبنی تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کرتے۔ ان کی بیعت کرتے اور ان کی خلافت کو مستحکم کرنے میں ان کی امداد کرتے جب پوری طرح نظم و نسق قائم ہو جاتا تو پھر ایک ایک قاتل کو گرفتار کر کے اسے اس کے کیفر کردار تک پہونچایا جاتا۔ مگر امیر معاویہؓ نے اس معقول اور صحیح طریقے کی بجائے نہایت غلط اور حد درجہ قابل اعتراض طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص اور حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں رکھ کر اس واقعے کی خوب تشہیر کی۔ لوگ آتے اور ان چیزوں کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ گویا بجائے اس کے کہ اس واقعہ کے بُرے اثرات کو زائل

کر کے لوگوں کے جذبات کو اعتدال پر لانے اور سلطنت میں قیام امن کی کوشش کرتے۔ انہوں نے لوگوں کے جذبات کو اور زیادہ مشتعل کیا تاکہ حضرت علیؓ کے خلاف اچھی طرح آگ لگائی جائے اور ان کی خلافت کو استحکام نہ ہونے پائے۔ پروپیگنڈے کا یہ گھٹیا طریقہ کسی طرح بھی اسلامی سیاست کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ خونِ عثمانؓ پر اپنا قصرِ خلافت تعمیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کی بھی اس معاملے میں یہی رائے تھی۔ حضرت علیؓ بڑے زیرک آدمی تھے وہ امیر معاویہؓ کے اس مطالبے کی تہہ تک پہنچ گئے تھے اور جب معاویہؓ نے انہیں خط لکھ کر قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ نے انہیں جواب میں لکھا کہ

"تم ہرگز خونِ عثمانؓ کے قصاص کے
طالب نہیں ہو اسے تم اپنے مقصد کے
حصول کا ایک ذریعہ بنا رہے ہو"

(اخبار الطوال صـ۱۶۲)

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت علیؓ کی یہ رائے سو فی صد درست تھی۔ سطورِ بالا میں ہم نے امیر معاویہؓ کی سیاست کی جو تصویر کھینچی

ہے اس سے یہ امر بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان کا مقصد و مدعا صرف یہ تھا کہ کسی طرح خلافت پر قبضہ کر لیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا۔ اپنی ذاتی غرض پوری کرنے کے لئے ہزاروں مسلمانوں کا بڑی بے دردی سے خون بھی بہایا۔ مسلمانوں کی امانت (بیت المال) کو بے دریغ صرف کیا۔ گھٹیا قسم کا پروپیگنڈہ بھی کیا۔ اور لوگوں سے سیاسی سودا بازی بھی کی۔ یورپ کا مشہور مستشرق نکلسن امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی طرز سیاست کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

"علیؓ بڑے دانشمند نہایت صائب الرائے بہت بڑے مدبر بڑی بالغ نظر رکھنے والے، ایفائے عہد کے پابند اور اپنے دشمن کے ساتھ بھی نہایت شریفانہ سلوک کرنے والے تھے۔ مگر وہ اپنی حکومت کے لئے وہ حربے استعمال کرنا پسند نہ کرتے تھے جنہیں ان کے حریف (معاویہؓ و عمرو بن العاص وغیرہم) بڑی آزادی سے استعمال کرتے تھے۔ ان کی سیاست چالبازی کی سیاست نہ تھی۔ علیؓ نہ تو ان حربوں سے واقف[1] تھے اور نہ انہیں استعمال کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔" (تاریخ ادب عربی نکلسن صد ۱۹۱)

---

[1] حضرت علیؓ ان حربوں سے واقف تو خوب تھے جیسا کہ انہوں (بقیہ صد ۱۹۶ پر)

امیر معاویہؓ کی لغزشوں کی فہرست یہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ امام حسنؓ جیسے امن پسند اور نواسۂ رسولؐ کے خلاف فوج کشی کا اقدام اور اپنی زندگی کے آخری دور میں اپنے اوباش اور بدکردار بیٹے یزید کو امت کے سر پر مسلط کر جانا امیر معاویہؓ کے وہ سنگین اقدامات ہیں جن کے لئے کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اس آخری اقدام سے تو امت مسلمہ کو بے حد نقصان پہنچا اور مسلمان خلافت راشدہ کی اس نعمت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے جو اپنے دامن میں بڑی برکتیں رکھتی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ میں بھی وہ حربے استعمال کرنا جانتا ہوں جو معاویہؓ استعمال کرتے ہیں مگر کیا کروں میرا دین مسلک اس کی اجازت نہیں دیتا۔ (مصنف)

لہ امیر معاویہؓ کے اس آخری اقدام یعنی یزید کی جانشینی کے متعلق ہم نے اپنی کتاب "مقام حسین" میں تفصیل سے بحث کی ہے اور نہایت وزنی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یزید پرلے درجے کا شہوت پرست شرابی اور بداعمال شخص تھا۔ (مصنف)

خلافت سے دستبرداری

خلافت سے دستبرداری

جیسا کہ گذشتہ باب کے آغاز میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب اہل کوفہ نے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور امیر معاویہ کو اس بیعت کی خبر ہوگئی تو انہوں نے عراق پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل عبداللہ بن عامر بن کریز کو ہراول دستے کے طور پر انہوں نے حضرت امام حسنؓ کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت حضرت امام حسنؓ کوفہ میں تشریف فرما تھے۔ جب انہیں امیر معاویہؓ کے ہراول دستے کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی قیس بن عامر کو ایک لشکر دے کر مدائن کی طرف بھیجا جہاں امیر معاویہؓ کا جرنیل عبداللہ بن عامر بن کریز خیمہ زن تھا اور جلد ہی خود بھی ایک لشکر جرار لے کر مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساباط کے مقام پر پہنچ کر حضرت امام حسنؓ نے اپنے اہل لشکر کے سامنے ایک تقریر کی جس میں

انہوں نے فرمایا کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے اور میں کسی کے لیے وہ چیز پسند نہیں کرتا ہوں جو خود مجھے اپنے لئے پسند نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ تفرقہ و اختلاف کے بجائے اتحاد و اتفاق کو قبول کر لو۔

حضرت امام حسنؓ کی اس تقریر میں واضح طور پر امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کرنے کا اشارہ پایا جاتا تھا۔ اس لئے آپ کی یہ تقریر ان لوگوں کو ناگوار گزری جو امیر معاویہؓ کے ساتھ جنگ کرنے کی قسم کھا چکے تھے۔

خارجیوں کا رویہ

تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی یہ تقریر سن کر لوگوں پر سناٹا چھا گیا مگر سوائے خارجیوں کی ایک جماعت کے جو حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ کے ساتھ ہو گئی اور کسی نے اپنے اختلاف کا اظہار نہیں کیا چونکہ خارجی امیر معاویہؓ کو غاصب اور باغیٔ خلافت سمجھتے تھے اور ان سے جنگ کرنے کو مذہبی فرض کی حیثیت دیتے تھے اس لئے یہ لوگ حضرت امام حسنؓ کی تقریر سن کر مشتعل ہو گئے۔ مگر حضرت امام حسنؓ کے اہل لشکر کے باقی لوگوں کا خیال تھا کہ

ہم اپنے امام کے حکم کے پابند ہیں اگر وہ اس جنگ کو پسند نہیں کریں گے تو ہم بھی جنگ نہیں کریں گے اور اگر وہ جنگ کرنے کا حکم دیں گے تو ہم اپنی جان قربان کر دیں گے۔ یہ دونوں طبقے اپنے اپنے نظریات پر بڑی شدت سے قائم تھے اور ایک موقع پر اس شدت نے کسی قدر نازک صورت اختیار کر لی۔ معمولی سی جھڑپ بھی ہوئی اور اس جھڑپ میں حضرت امام حسنؓ بھی ایک خارجی کے نیزے سے زخمی ہو گئے مگر آپ کے جاں نثاروں نے تلواریں سونت کر حالات کو درست کر لیا اور آپ کو مدائن کے قصرِ ابیض میں پہونچا دیا۔ جہاں چند روز زیرِ علاج رہنے کے بعد آپ صحت یاب ہو گئے۔

اسی دوران میں امیر معاویہؓ کے جرنیل عبداللہ بن عامر نے حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ امتِ مسلمہ کو خون ریزی سے بچانے کے لیے جنگ نہ کیجئے۔ ایک روایت کے مطابق خود امیر معاویہؓ نے بھی حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں لکھا کہ خوں ریزی سے اجتناب کیجئے اور جو شرائط آپ کو پسند ہوں ان پر خلافت سے دست بردار ہو جائیے۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی درخواست قبول فرمالی۔ چند روز کے بعد امیر معاویہؓ بنفسِ نفیس کوفہ آ کر حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تفویضِ خلافت کے متعلق دو دلہا

میں بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ (اخبار الطوال ص۲۳۲)

دست برداری کا اعلان

اس کے بعد امیر معاویہ کی تحریک پر حضرت امام حسنؓ نے مجمع عام میں دست برداری کا اعلان کرتے ہوئے کوفہ کی جامع مسجد میں ایک تقریر کی جس میں فرمایا کہ:۔

"اما بعد۔ دنیا میں جتنی دانائیاں ہیں ان میں سب سے بہتر دانائی تقویٰ ہے اور جتنی کمزوریاں ہیں ان میں سب سے بڑی کمزوری اعمال کی خرابی ہے۔ ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان مسئلۂ خلافت مابہ النزاع ہے، ہم دونوں میں سے اس کا حقدار کون ہے، میں یا معاویہؓ؟ دونوں حالتوں میں امت محمدیہ کی اصلاح اور مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔" (اسد الغابہ جلد دوم ص۱۴)

اس تاریخی اعلان کے بعد حضرت امام حسنؓ مسند خلافت سے

کنارہ کش ہو گئے اور امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے سارے عالم اسلام کے فرماں روا بن گئے۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۴۱ھ میں پیش آیا۔

راویوں کی غلط بیانیاں

یہ ہے اس واقعہ کی صحیح صورت جو ہم نے سطور بالا میں بیان کی ہے لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے بدخواہوں نے تاریخ کے اس سیدھے سادھے واقعے کو بھی پیچیدہ بنا دیا اور مورخین نے تاریخ اسلام کے اس باب کو قلم بند کرتے ہوئے عجائبات کا ایک دفتر کھول دیا۔ فرضی اور غلط روایات کا اتنا بڑا ڈھیر لگا دیا گیا کہ اصل واقعہ بالکل مسخ ہو گیا۔ یہ روایات اس قدر تواتر سے بیان کی گئیں کہ بعض فہیم لوگ بھی ان سے متاثر ہو گئے اور عوام تو انہیں پتھر کی لکیر سمجھ بیٹھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر یہ غلط روایات پیش کر کے ان کو نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھا جائے تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے

تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسنؓ نے صرف اور صرف امت کو خوں ریزی سے بچانے کے لئے خلافت سے دست برداری گوارا کی تھی لیکن انہیں مورخین نے اپنی سادہ لوحی کی

بنا پر ایسی روایات بھی قبول کرلیں جو حضرت امام حسنؓ کے مخالفوں
نے مشہور کردی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان مورخوں کے بیانات میں
سخت تضاد پیدا ہوگیا۔ اب ہم اس واقعے کی وہ تصویر پیش کرتے
ہیں جو ہمارے سادہ لوح مورخین نے روایات کی چھان بین کئے بغیر
پیش کی ہے۔ اس کے مطابق واقعات کی ترتیب یوں قائم ہوتی ہے،

حضرت امام حسنؓ کو امیر معاویہؓ کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو آپؓ بھی اپنا لشکر
لیکر مدائن کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں آپؓ نے محسوس کیا کہ لوگ جنگ سے
پہلوتہی کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپؓ نے انہیں روک کر مندرجہ ذیل تقریر کی۔

ایک فرضی تقریر

"اے لوگو! میرے دل میں کسی مسلمان کی
طرف سے کینہ نہیں ہے اور میں تمہارے لئے
وہی چیز پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے
میں تمہارے سامنے اپنی رائے اس امید کے ساتھ
پیش کرتا ہوں کہ تم اسے رد نہیں کروگے۔ میں دیکھتا
ہوں کہ تم میں سے بیشتر لوگ جنگ کرنے سے کترا رہے
ہیں اور بزدلی دکھا رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ
تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کام کروں۔"

حضرت امام حسنؓ کی اس تقریر سے لوگ سمجھ گئے کہ آپؓ جنگ سے گریز کر رہے ہیں اس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ آپ پر جھپٹ پڑے، کسی نے آپؓ کے نیچے سے وہ فرش نکال لیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے بڑھ کر گلے میں سے چادر کھینچ لی۔ کسی نے عبا پر پر ہاتھ ڈالا اور اسے نوچ لیا۔ اس افراتفری میں آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور سیدھے مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک خارجی نے حملہ کر کے آپؓ کو زخمی کر دیا۔ مدائن پہونچ کر آپؓ نے اپنا علاج کرایا۔ صحت یاب ہونے کے بعد پھر امیر معاویہؓ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے۔ مگر جب امیر معاویہؓ کے جرنیل (عبداللہ بن عامر) نے امام حسنؓ کو پیغام بھیجا کہ امت کی بہتری اسی میں ہے کہ آپؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی مشہور کیا کہ امیر معاویہؓ ٹڈی دل فوج لے کر شام سے روانہ ہو چکے ہیں اور انبار کے مقام تک پہونچ گئے ہیں تو یہ سن کر حضرت امام حسنؓ کی فوج میں پست ہمتی کے آثار پیدا ہو گئے اور وہ پسپا ہونے لگی جب حضرت امام حسنؓ نے اپنی فوج کا یہ رنگ دیکھا تو آپ پھر مدائن سے واپس آ گئے اور دست برداری کی شرائط لکھ کر امیر معاویہؓ کو بھیج دیں۔

یہ ہے تاریخ اسلام کے اس باب کا لب لباب جو ہم نے

تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، اخبار الطوال اور ابن اثیر سے اخذ کر کے پیش کیا ہے۔ اگر ان تمام واقعات کو درست مان لیا جائے تو ان سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) حضرت امام حسنؓ امیر معاویہؓ کی پیش قدمی کی خبر سن کر اپنے لشکر کے ساتھ مدائن روانہ ہوئے تاکہ امیر معاویہؓ سے جنگ کر کے ان کی پیش قدمی کو ناکام بنا دیں۔

(۲) راستے میں آپؓ نے اپنی فوج میں پست ہمتی کے آثار دیکھے اس لئے جنگ سے گریز فرمایا۔

(۳) اس پر آپ کی فوج کے لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کی توہین کی اور آپ کو زخمی بھی کر دیا۔

(۴) صحت یاب ہونے کے بعد آپؓ امیر معاویہؓ سے جنگ آزمائی کے لئے پھر گھوڑے پر سوار ہوئے۔

(۵) مگر عبداللہ بن عامر کی تقریر پر جب اپنی فوج کو پسپا ہوتے دیکھا تو مدائن واپس آکر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

بیانات کا تضاد

تاریخ اسلام کا ایک غیر جانبدار اور حقائق کا متلاشی طالب علم

جب ان واقعات پر غور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ امت مسلمہ کو خوں ریزی سے بچانے کے لئے اور مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی خاطر خلافت سے دست بردار ہوئے تھے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی فوج میں بزدلی اور پست ہمتی کے آثار دیکھ کر خلعِ خلافت پر مجبور ہو گئے۔ آخر ان دونوں متضاد باتوں سے کونسی بات صحیح ہے؟ اگر وہ صرف امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کے لئے ہی خلافت سے دست بردار ہوئے تھے تو پھر ان کی اس تقریر کا کیا مفہوم لیا جائے گا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ

> "میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے بیشتر لوگ جنگ کرنے سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کام کروں۔"

اگر امام حسنؓ نے فی الواقعہ یہ تقریر کی تھی تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ خود صلح پسند نہیں تھے وہ تو خلافت چاہتے تھے خواہ اس کے لئے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑتی۔ مگر کیا کرتے حالات نے مجبور کر دیا۔ ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اس لئے خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس صورت

میں حضرت امام حسنؓ کی پوزیشن بے حد کمزور ہو جاتی ہے اور ان کے
تذکرہ نویسوں اور مداحوں کا بنایا ہوا الفاظ کا سارا محل دھڑام سے
زمین پر آرہتا ہے۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ ایک اعتراض
اور پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت امام حسنؓ اپنے ہمراہیوں کا سلوک دیکھ
چکے تھے ان کی چادر، کپڑے، اور مصلّے تک چھین لیا گیا تھا
اور انہیں بمشکل تمام اہل لشکر کی یورش سے بچایا گیا تھا۔ پھر
صحت یاب ہو کر دوبارہ انہیں کی معیت میں حملے کے لئے روانگی
کیا معنی رکھتی ہے۔

واقعے کے ان تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے بعد
ہمارے لئے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔

(۱) یا تو ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت امام حسنؓ نے لشکر کی پست
ہمتی سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ سے صلح کی ورنہ وہ تو خلافت
کے خواہش مند تھے۔ اور اس کے لئے جنگ تک کرنے کو
تیار تھے۔

(۲) یا یہ تسلیم کر لیں کہ انہوں نے اپنی فطری صلح پسندی، مسلمانوں
کو خون ریزی سے بچانے اور امت میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے
کے لئے خلافت سے دست برداری گوارا کی تھی۔ لشکر کی

کمزوری کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

حضرت حسنؓ زبردست قوت کے مالک تھے

کیونکہ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تاریخ اس کا ساتھ دینے سے انکار کرتی ہے اس لئے کہ جس وقت حضرت امام حسنؓ مدائن کی طرف تشریف لے گئے ہیں اس وقت آپ شام اور مصر کے سوائے تمام عالم اسلام کے حکمران تھے۔ حجاز خصوصاً یمن میں آپ کے جاں نثاروں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ فارس میں حضرت علیؓ کے شیدائی زیادہ موجود تھے جو ایران اور اس کے تمام مختلف علاقوں کے گورنر اور عرب کے بہادر ترین اور شجاع لوگوں میں سے ایک تھے اور آخر وقت تک حضرت امام ؓ کے وفادار رہے بلکہ حضرت امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد بعض مدت تک انہوں نے معاویہؓ کی بادشاہت کو تسلیم نہیں کیا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خارجی بھی حضرت امام حسنؓ کے ساتھ ہو گئے تھے کیونکہ انہیں حضرت امام حسنؓ سے کوئی عناد نہ تھا اس لئے وہ سب حضرت امام حسنؓ کے پرچم تلے جمع ہو گئے تاکہ انہیں اپنے پرانے دشمن اور خلافت کے باغی (امیر معاویہؓ) سے انتقام لینے کا

موقع مل سکے، یہ بڑے بہادر لوگ تھے اور ان کے سرفروشانہ کارناموں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن عساکر کے بقول چالیس ہزار بہادروں کا لشکر حضرت امام حسنؓ کے پرچم تلے جمع تھا جو امیر معاویہؓ سے جنگ کرنے اور مارنے مرنے کی قسم کھا چکا تھا۔ (ابن عساکر جلد دوم ص۲۱۹)

ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی فوج آپ کی جاں نثار اور فداکار تھی اور آپ زبردست قوت کے مالک تھے۔ زمانہ حال کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" کے دوسرے حصہ میں جس کا نام "علی و بنوہ" ہے لکھا ہے کہ :۔

اہل کوفہ کا استفسار

ایک روز کوفہ کے سربرآوردہ لوگوں کا ایک وفد حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وفد کے ایک رکن سلیمان ابن صرد خزاعی نے عرض کیا کہ ہماری حیرت ابھی تک دور نہیں ہوئی کہ آپ کے پاس کوفہ کے چالیس ہزار بہادروں کا لشکر موجود تھا۔ یہ سب آپ کے وظیفہ یاب اور خیر خواہ تھے اور آپ کی حمایت میں جنگ

کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ پھر حجاز اور بصرہ کے لوگ بھی آپ کے حامی تھے۔ اس کے باوجود آپؑ نے امیر معاویہ کی بیعت کر لی۔ (علی و بنوہ از ڈاکٹر طہ حسین صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ مصر)

سلیمان بن صرد کے اس استفسار کے جواب میں حضرت امام حسنؑ نے جو الفاظ کہے ان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ جس وقت حضرت امام حسنؑ خلافت سے دست بردار ہوئے ہیں اس وقت آپ زبردست قوت و شوکت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:۔

"تم لوگ ہمارے خیرخواہ ہو اور تمہیں ہم سے محبت ہے (یعنی اسی لئے تمہارا دل میری خلافت سے دست برداری کو گوارا نہیں کرتا) لیکن میں دنیا کے پیچھے بھاگنا پسند نہیں کرتا تھا اگر میں حصول اقتدار کا خواہشمند ہوتا تو معاویہ کے پاس وہ قوت و شوکت نہیں تھی جو میرے پاس تھی اور نہ ان میں مجھ سے زیادہ خودداری تھی اور نہ وہ میری طرح راسخ الارادہ تھے۔ تم لوگ حسن نظر سے معاملات کو دیکھتے ہو میں اس

سے مختلف نظریہ رکھتا ہوں۔ میں نے جو قدم اٹھایا
اس سے میرا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ
تھا کہ مسلمانوں میں باہم خون ریزی نہ ہو" (علی و بنوہ صـ۲۰۷)

حضرت امام حسنؓ کے اس جواب سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں
پہلی یہ کہ حضرت امام حسنؓ کی فوج نے کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی
اور وہ سب حضرت امام حسنؓ کے پوری طرح مطیع و فرمانبردار تھے۔ حضرت
امام حسنؓ کے پاس امیر معاویہؓ سے کہیں زیادہ طاقت تھی اور وہ ان
سے کہیں زیادہ مضبوط ارادے کے مالک تھے۔ دوسری بات
یہ ہے کہ اپنی فوج کی کمزوری یا پست ہمتی کی وجہ سے نہیں بلکہ
مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے وہ خلافت سے دستبردار
ہوئے تھے۔ ایک اور موقع پر جب آپ کے متعلق مشہور کیا گیا کہ
آپؓ دوبارہ حصولِ خلافت کی کوشش کر رہے ہیں اور ایک شخص نے
اس بارے میں آپ سے دریافت کیا تو آپ نے اسے جواب دیا کہ

ایک اور شہادت

"جس وقت تمام اہلِ عرب کے سر میری مٹھی میں
تھے اور میں انہیں جس سے لڑانا چاہتا وہ اس سے

لڑجانے اور جس سے صلح کرنا چاہتا وہ میرے ساتھ
ہوکر اس سے صلح کر لیتے ۔ جب میں نے اس وقت
اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور امتِ
محمدیہ کو تفرقہ و خوں ریزی سے بچانے کے لئے
خلافت کو چھوڑ دیا تو اب میں اس کے حصول کے
لئے کیا کوشش کروں گا ؟"

مستدرک حاکم جلد سوم ص۱۷۰ و تاریخ الخلفا سیوطیؒ ،

حضرت امام حسنؓ کے اس جواب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپؓ کی حکومت و خلافت پوری طرح قائم ہو چکی تھی اور لوگ آپ کا بڑا ادب و احترام اور دل و جاں سے آپ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے ۔ اس کے باوجود آپؓ نے خلافت چھوڑ دی ۔ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ آپ کو خوں ریزی سے طبعاً نفرت تھی ۔ ذیل کے واقعات سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے مزاج ہی ایسا پایا تھا جو خونریزی پر آمادہ نہ ہو سکتا تھا ۔

حضرت حسنؓ کے مزاج کا تجزیہ

(۱) جب حضرت عثمانؓ پر باغیوں اور مفسدوں نے حملہ کیا اور مدینہ

کے حالات خراب ہونے لگے تو آپ کی فراست نے محسوس کر لیا کہ حضرت علیؓ ان معاملات سے غیر متعلق نہیں رہ سکیں گے، اور اگر ان کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے تو بنی امیہ ان کا دامن بھی خونِ عثمانؓ میں ملوث کر دیں گے۔ جس کے نتیجے میں سخت خوں ریزی ہو گی چنانچہ اسی لئے انہوں نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے مدینہ سے باہر چلے جایئے۔ مگر حضرت علیؓ کے نزدیک ایسی حالت میں کہ اہل مدینہ اور خلیفۃ المسلمین سخت مصیبت میں گھرے ہوئے تھے انہیں چھوڑ کر چلا جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا اور یہ بے وفائی کے مترادف تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت امام حسنؓ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا مگر اس سے یہ تو ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ خوں ریزی سے کس قدر نفرت کرتے تھے۔

(۲) حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کی بیعت کی جانے لگی تو حضرت امام حسنؓ نے پھر انہیں مشورہ دیا کہ جب تک سارا عالم اسلام آپ سے بیعت لینے کی درخواست نہ کرے اس وقت آپ بیعت نہ لیں تاکہ بعد میں کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور امت کو قتل و غارت کا شکار نہ ہونا پڑے لیکن حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ کا یہ مشورہ بھی قبول نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت حالات بڑے

ناگفتہ بہ تھے۔ مدینہ پر باغیوں اور مفسدوں کا قبضہ تھا۔ اس لیئے حضرت علیؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ بیعت لینے کے بعد حالات کو درست کیا جائے اور قیامِ امن کے لئے جد وجہد کی جائے۔ حضرت علیؓ مصائب و آلام کے مقابلے میں فرار اختیار کرنے یا عورتوں کی طرح گوشہ گیر ہو جانے کو اسلامی تعلیم کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیئے آپ نے بیعت قبول کر لی۔ بہرحال حضرت امام حسنؓ کے اس مشورے سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ فتنہ و فساد اور قتل و غارت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

(۳) جب حضرت عائشہ صدیقہؓ خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیئے مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں اور حضرت علیؓ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع مل گئی تو آپ بھی ایک لشکر جرار لے کر حضرت عائشہؓ کو روکنے کے لیئے روانہ ہونے لگے اس موقع پر پھر حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ ہی میں رہیئے اور حالات کا رخ دیکھتے رہیئے۔ جب معاملات آپ کے حق میں درست ہو جائیں تو پھر کہیں جایئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ کا یہ مشورہ بھی تسلیم نہیں کیا کیونکہ خلیفۃ المسلمین اور اسٹیٹ کے سربراہِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ کے نازک

فرائض آپ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ جب آپ کی حدود مملکت پر حملہ کیا جائے تو آپ حملہ آوروں کو شکست دینے اور اپنی مملکت کے عوام کی جان و مال کی حفاظت کے لئے فوراً موقع پر پہونچیں۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا اور یہی کرنا چاہیئے تھا لیکن حضرت امام حسنؓ کا مشورہ تو یہی تھا کہ قتل و خون ریزی سے اجتناب کیا جائے اور آپ کے اس مشورے سے بھی آپ کی فطری امن پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴) پھر جب آپ کوفہ کی جامع مسجد میں خلافت کی بیعت لینے کے لئے تشریف لائے اور مشہور صحابی حضرت قیسؓ بن سعد نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ احکام الٰہی کی تعمیل، سنتِ رسولؐ کی پیروی اور مفسدین سے جنگ کرنے پر (حضرت قیسؓ کا اشارہ اہل شام کی طرف تھا) تو اس کے جواب میں حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ احکام الٰہی اور سنت رسول اللہؐ کی پیروی کافی ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا ارادہ شروع ہی سے جنگ کرنے کا نہ تھا۔

(۵) آپ نے انتقال سے پہلے وصیت کی کہ مجھے جوارِ رسولؐ میں دفن کیا جائے لیکن اگر بنو امیہ مزاحمت کریں تو پھر اس پر اصرار نہ کیا جائے

بلکہ جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا جائے۔ حضرت امام حسنؓ کی اس وصیت سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ اپنی فطرت اور مزاج کے لحاظ سے صلح پسند تھے اور اپنے مفاد، اپنی ذات اور اپنے وقار کے لئے مسلمانوں میں خوں ریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

ان تصریحات کے بعد وہ تمام روایات باطل ہو جاتی ہیں جن میں حضرت امام حسنؓ کی طرف سے اس قسم کی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی فوج میں انتشار و افتراق تھا اور اسی بنا پر آپ نے اقتدار امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت امام حسنؓ امیر معاویہؓ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے اور مدائن کے قریب پہنچ کر آپؓ نے وہ تقریر کی جس میں امیر معاویہؓ سے صلح کرنے کا اشارہ پایا جاتا تھا تو خارجی لوگوں کو جو امیر معاویہؓ کے سخت دشمن تھے یہ بات نہایت ناگوار گزری اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا، اس احتجاج نے فساد کی صورت پیدا کر دی۔ لیکن حضرت امام حسنؓ کے جاں نثاروں نے فوراً تلواریں نیام سے باہر نکال کر خارجیوں کو مار بھگایا۔ انہیں میں سے ایک خارجی نے حضرت امام حسنؓ پر نیزے کا وار کیا جس سے آپ زخمی ہو گئے مگر

چند روز علاج کے بعد صحتیاب ہو گئے لیکن خارجیوں نے کسے معاف کیا اور کون ان کے ہاتھ سے بچا۔ کیا اس سے پہلے انہوں نے امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں شدید زخمی نہیں کر دیا تھا؟ کیا انہوں نے عمرو بن العاص پر حملہ کرنے کی سازش نہیں کی تھی اور کیا حضرت علیؓ ان کے ہاتھ سے شہید نہیں ہوئے۔ ایک معمولی سے واقعہ پر راویوں نے اس قدر حاشیہ آرائی کی کہ اس کی شکل ہی بدل گئی۔

اصل بات

واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت امام حسنؓ چالیس ہزار کا لشکر جرار لیکر مدائن کی طرف روانہ ہوئے اور امیر معاویہؓ شام سے پچیس تیس ہزار کا لشکر لے کر نکلے تو حضرت امام حسنؓ کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر پھر گیا جب اس سے پہلے خانہ جنگیوں میں ہزاروں مسلمان خاک و خون میں لوٹ لوٹ کر جاں بحق ہو گئے تھے۔ بے شمار بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں تھیں۔ رومی امیر معاویہؓ کی سرحد پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑے تھے اور ادھر حضرت علیؓ کی حدود سلطنت میں بعض غیر مسلم سردار بغاوت پر آمادہ تھے۔ حضرت امام حسنؓ جو پہلے ہی جنگ وجدل کے خلاف تھے اپنی اور امیر معاویہؓ

کی فوجوں کی تیاریاں دیکھ کر سوچنے لگے کہ اگر پھر تلواریں بے نیام ہوئیں تو ایک بار تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرائے گی اور پھر بےشمار مسلمانوں کی گردنیں کٹیں گی۔ پس مسلمانوں کی اس خوں ریزی اور امت محمدیہ کی تباہی و بربادی کے خوف سے آپ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ ہمارے اس خیال کی تائید حضرت امام حسنؓ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو آپؓ نے اہل مدینہ کے ایک گروہ سے کہے تھے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد جب آپ مدینہ پہنچے تو لوگوں نے امیر معاویہؓ سے صلح کرنے پر آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ :-

"مجھے یہ امر پسند نہیں آیا کہ میں اپنے رب سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ ستر ہزار یا اس سے کچھ زیادہ افراد کے حلقوم سے خون بہہ رہا ہو اور ان میں سے ہر شخص کہہ رہا ہو کہ خدایا! مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے"

(علی و بنوہ، طٰہٰ حسین صفحہ ۱۶۸)

یہ تو حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کا وہ بڑا

سبب ہے جس کی تاریخی روایات سے نشاندہی ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور سبب بھی ہے جس کی طرف مورخین کی نظر نہیں جاتی۔ اور وہ یہ کہ حضرت امام حسنؓ خاندانِ بنو ہاشم کے زیرک ترین فرد تھے۔ وہ اپنی خداداد فراست سے اندازہ کر چکے تھے کہ انہیں جس قوم کا امیر بنایا گیا ہے اس کا دینی مزاج بگڑ چکا ہے۔ اس میں دنیا کی طرف رغبت پیدا ہو چکی ہے، اس میں شک نہیں کہ قوم میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو رضائے الٰہی کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ مگر اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی جنہیں سیم و زر کی جھنکار بہت محبوب تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسنؓ یہ جھنکار انہیں نہیں سنا سکتے تھے۔ قوم اپنا دینی معیار اس قدر بلند نہیں کر سکتی تھی جو حضرت امام حسنؓ کے پیش نظر تھا اور حضرت امام حسنؓ اپنا معیار اتنا پست نہیں کر سکتے تھے جو قوم کے معیار کے ہم سطح ہو جاتا۔ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ میں قوم کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکوں گا اور قوم جن چیزوں کی طالب ہے وہ میں اسے نہیں دے سکوں گا ممکن ہے آپ اصلاحِ احوال کی کوشش کرتے مگر جب امیر معاویہؓ نے آپؓ کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تو حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ

یہ بار گراں امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیں کہ انہیں اپنے آپ کو بدلے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالنا خوب آتا ہے اور وہ درہم و دینار سے لوگوں کو رام کرنا خوب جانتے ہیں، چنانچہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس مرحلے پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے ساتھ جو مصالحانہ طرزِ عمل اختیار کیا وہ آپ کے والد گرامی (حضرت علیؓ) کے اس طریقۂ کار کے بالکل برعکس تھا جو انہوں نے امیر معاویہؓ کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ یعنی حضرت علیؓ نے کسی قیمت پر خلافت سے دست برداری گوارا نہ کی بلکہ امیر معاویہؓ کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنانے کے لئے ایسی جنگ لڑی جس میں ہزاروں مسلمان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور وہ آخر دم تک امیر معاویہؓ کو مغلوب کرنے میں کوشاں رہے۔ مگر حضرت امام حسنؓ نے اوّل دن ہی سے مصالحانہ رویہ اختیار کر لیا اور آخر کار انہوں نے اقتدار معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کس کی روش صحیح تھی۔ باپ کی یا بیٹے کی؟ پھر اس اعتراض سے دوسرا اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت امام حسنؓ

نے امیر معاویہؓ سے صلح کر کے ان کی بیعت تو پھر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے یزید سے کیوں جنگ کی؟ انہوں نے بھی اپنے برادر بزرگ کے نقش قدم پر چل کر حاکم وقت کی بیعت کیوں نہ کر لی۔

ہمارے خیال میں یہ دونوں اعتراض کم فہمی کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے ہمیں وہ حالات پیش نظر رکھنا چاہئیں جن میں حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے خلاف یہ سخت ترین قدم اٹھایا تھا۔ جس وقت حضرت عثمانؓ کو مظلومانہ شہید کیا گیا اس وقت امت مسلمہ کی حالت اس کنبہ کی سی تھی جو اپنے سربراہ کی وفات کے بعد یتیم اور بے سہارا ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک طرف تو مسلمان بغیر کسی امیر کے زندگی گزار رہے تھے اور دوسری طرف اسلامی سٹیٹ کے مرکز (مدینہ) پر مفسدوں کا تسلط تھا۔ ہر طرف انتشار برپا تھا اور اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کے اس باہمی افتراق سے فائدہ اٹھا کر کوئی غیر مسلم طاقت سلطنت اسلامیہ پر حملہ نہ کر دے۔ اس وقت اہل مدینہ کے نزدیک تین شخص خلافت کے اہل تھے، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ پہلے دونوں بزرگ خلافت کی

ذمہ داریاں سنبھالنے سے انکار کر چکے تھے۔ اب صرف حضرت علیؓ باقی رہ گئے تھے۔ اگر وہ بھی یہ بارِ گراں اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دیتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس امت کا کیا حشر ہوتا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے امت کی بھلائی کی خاطر خلافت قبول کر لی۔ خلافت قبول کرنے کے بعد یہ امران کے فرائض میں شامل ہو گیا تھا کہ وہ سلطنت اسلامیہ میں امن و امان قائم کریں اور جو شخص یا جماعت ان کی اطاعت سے روگردانی کرے اسے جس طرح ممکن ہو اپنا مطیع و فرمانبردار بنائیں۔ چنانچہ اس سے پہلے یہی معاملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ پیش آیا تھا اور قبائل کے قبائل ان سے باغی ہو گئے تھے مگر حضرت ابوبکرؓ نے خون ریزی کا خیال کئے بغیر ان کے خلاف تلوار اٹھائی اور مار مار کر اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا حالانکہ ان میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو اسلام پر بدستور قائم تھے۔ اور (اپنی جہالت کی وجہ سے) صرف زکوٰۃ کی معافی کے خواستگار تھے مگر حضرت ابوبکرؓ نے اس کی قطعاً پرواہ نہیں کی کہ ان کی تلوار سے مسلمان کا خون ہوتا ہے یا کافر کا۔ ان کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ جس طرح بھی ہو باغیوں کو خلیفۂ وقت کا فرماں بردار بنایا جائے بعینہٖ یہی صورت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی۔ جب امیر معاویہؓ نے

ان کے خلاف علم بغاوت کیا تو پہلے حضرت علیؓ نے خط و کتابت اور اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے انہیں اپنا مطیع بنانے کی کوشش کی مگر جب وہ کسی طرح حضرت علیؓ کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے مسلک پر چل کر ان سے جنگ کی کیونکہ خلیفۂ وقت کی حیثیت سے ان کا منصب یہی تھا۔

حضرت علیؓ کا نقطۂ نگاہ

پھر حضرت علیؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایک موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اے عثمانؓ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ پھر لوگ تم سے مطالبہ کریں گے کہ یہ قمیص اتار دو مگر تم نہ اتارنا۔ اس سے حضور صلعم کی مراد یہ تھی کہ تم خلیفہ بنائے جاؤ گے پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب لوگ تم سے قبائے خلافت اتارنے کا مطالبہ کریں گے اور تمہیں معزول کرنے کی کوشش کریں گے مگر تم معزولی گوارا نہ کرنا۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے اس ارشاد سے یہ استدلال کرتے تھے کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ بناتا ہے گو ظاہری طور پر اس کا انتخاب بندے کرتے ہیں مگر اس میں تصرفِ الٰہی کام کر رہا ہوتا ہے اس لئے جب کسی شخص کو

خلیفہ بنا دیا جائے تو اسے معزول نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ صفین کے بعد ان ثالثوں کا فیصلہ رد کر دیا جنہوں نے آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہا تھا۔ کیونکہ یہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشا کے بالکل خلاف تھا۔

حضرت حسنؓ کا نقطۂ نگاہ

لیکن حضرت امام حسنؓ کا نقطۂ نگاہ اس سے مختلف تھا۔ ان کے پیش نظر صرف یہ امر تھا کہ مسلمانوں میں خوں ریزی نہ ہو۔ حضرت امام حسنؓ کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ پوری طرح طاقت پکڑ چکے ہیں اور اب وہ کسی قیمت پر اقتدار سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ انہیں اقتدار سے دست بردار کرنے کے لئے شدید ترین جنگ کرنی پڑے گی جس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ جائے گا اور جیسا کہ اس سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ خوں ریزی ان کے مزاج اور فطرت کے خلاف تھی۔ اس لئے انہوں نے خلافت سے دست برداری گوارا کر لی۔ یہ نقطۂ نگاہ کا اختلاف ہے ورنہ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا اس میں وہ اپنی جگہ مخلص اور دیانت دار تھے اور حضرت امام حسنؓ نے جو کچھ کیا وہ بھی اخلاص اور دیانت داری کی بنا پر تھا۔ ذاتی فائدہ نہ حضرت

علیؓ کے پیش نظر تھا اور نہ حضرت امام حسنؓ کے پیش نظر۔ دونوں امت کی اصلاح چاہتے تھے۔ ایک نے یہ اصلاح تلوار سے کی اور دوسرے نے خلافت سے معزول ہو کر۔

صحیح نقطۂ نگاہ

لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اصولی لحاظ سے حضرت علیؓ ہی کا نقطۂ نگاہ درست تھا۔ کیونکہ اس کے حق میں بڑے وزنی دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بغاوت ہوئی اور انہوں نے ہزاروں آدمیوں کا خون بہا کر اس بغاوت کو فرو کر دیا مگر خلافت کے تقدس پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتنہ و فساد اور بغاوت رونما ہوئی اور ان سے معزولی کا مطالبہ کیا گیا مگر حضرت عثمانؓ نے جان دینی گوارا کر لی لیکن خلافت دینی گوارا نہ کی۔ پھر حضرت علیؓ کے زمانے میں ان کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں انہوں نے ہر بغاوت کو فرو کرنا اور اس میں بھی ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ گیا مگر انہوں نے خلافت سے دست برداری قبول نہ کی حتیٰ کہ اپنی جان دے دی۔ لیکن جب حضرت امام حسنؓ سے دست برداری کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے

فوراً یہ دست برداری قبول کر لی صرف اس لئے کہ مسلمانوں میں خونریزی نہ ہو۔ دوسرے اس لئے جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ محسوس فرما چکے تھے کہ مسلمانوں میں وہ دینی جذبہ ختم ہو چکا ہے جو عہدِ رسالتؐ کا طرۂ امتیاز تھا اور اب ہر شخص ذاتی مفاد کو عزیز رکھتا ہے۔ آپ نے اندازہ کر لیا تھا کہ قوم آپ کے ساتھ اس راستے پر نہیں چل سکتی جس پر آپ اسے لے جانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ اس شخص کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے جو ان دنیا داروں کے مطالبے پورے کر سکتا تھا۔ بہر حال یہ حضرت امام حسنؓ کا ذاتی خیال اور اجتہاد تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت عارضی طور پر تو یہ خونریزی بند ہو گئی لیکن اس کے بعد اسی مسئلے پر جو شدید خوں ریزی شروع ہوئی تو صدیوں تک جاری رہی اور ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں ضائع ہو گئیں بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اگر امام حسنؓ خلافت سے دست بردار نہ ہوتے تو شاید کربلا کا حادثہ فاجعہ بھی پیش نہ آتا۔ اسی لئے ایک طبقے کا خیال ہے کہ اگر خلافت کے نفاذ قیام کے لئے ستّر ہزار نہیں ستّر لاکھ جانیں بھی ضائع ہو جاتیں تو کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ خلافت الہیہ کا قیام ہر چیز پر مقدم تھا چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سے خلافت کی نعمت اٹھ گئی اور انہیں ملوکیت کے

استبداد کی چکی میں بری طرح پسنا پڑا۔

دوسرا اعتراض

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ جب حضرت امام حسنؑ نے امیر معاویہؓ سے مصالحت کرلی تو حضرت امام حسینؑ نے یزید کی مخالفت کیوں کی۔ یہ اعتراض کرنے والے اس حقیقت کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ امیر معاویہؓ اور یزید میں زمین وآسمان کا فرق تھا ایک مخصوص طبقے کو چھوڑ کر مسلمانوں کا وہ طبقہ جو تاریخ سے پوری طرح باخبر ہے امیر معاویہؓ کے اخلاق پر حرف گیری نہیں کرسکتا۔ ان کی تین غلطیوں سے قطع نظر جن سے یقیناً امت کو بڑا نقصان پہونچا وہ خوش خلق، فیاض عالی ظرف اور عبادت گذار حکمراں تھے فسق و فجور سے انہیں سخت نفرت تھی۔ شراب اور زنا کے وہ قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ نہ انہیں رقص و سرود سے کوئی شغف تھا۔ غرض ان میں کوئی اخلاقی خامی نہ تھی جس سے امت کے دین اور اخلاقی مزاج بگڑنے کا خطرہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے انہیں اقتدار تفویض کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا لیکن اگر امیر معاویہؓ فاسق و فاجر اور بدکردار حکمراں ہوتے تو حضرت امام حسنؑ مسلمانوں کی عنانِ حکومت

کبھی ان کے حوالے نہ کرتے لیکن یزید کا معاملہ امیر معاویہؓ کے بالکل برعکس تھا۔ وہ پرلے درجے کا بدکردار[1]، عیاش، فاسق و فاجر اور اوباش قسم کا آدمی تھا جس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا حضرت امام حسینؓ جیسے متقی اور پرہیزگار انسان کے شایان شان نہ تھا۔ اگر یزید میں وہ خوبیاں ہوتیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی اپنے باپ کی طرح نرم خو، خوش خلق، عالی ظرف، عبادت گذار اور اخلاقی لحاظ سے پاکیزہ کردار کا حامل ہوتا تو ہمیں یقین ہے کہ حضرت امام حسینؓ کبھی اس کی مخالفت نہ کرتے۔

شرائطِ صلح کا مسئلہ

حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کے متعلق جہاں اور بہت سی غلط روایات مشہور ہو گئی ہیں وہاں شرائطِ صلح سے متعلق بھی روایات کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور مورخین نے اس سلسلے میں عجائبات کا ایک دفتر کھول دیا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہونے کا فیصلہ کر لیا تو انہوں نے

---

[1] یزید کا بدکردار، عیاش اور فاسق و فاجر ہونا ہم نے اپنی کتاب مقامِ حسینؓ میں نہایت وزنی دلائل سے ثابت کر دیا ہے (مصنف)

حسب ذیل شرائط لکھ کر امیر معاویہؓ کے پاس بھجوادیں۔

(۱) کسی عراقی کو صرف اس لئے گرفتار نہیں کیا جائے گا کہ وہ امیر معاویہؓ کے خلاف بغض رکھتا ہے۔

(۲) بلا استثناء ہر شخص کو امان دی جائے گی۔

(۳) علاقہ اہواز کا خراج حسنؓ کو ملا کرے گا۔

(۴) حسینؓ کے لئے دو لاکھ سالانہ وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔

(۵) عطیات میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جایا کرے گی۔

(اخبار الطوال ص۲۳۲)

پھر بیان کیا گیا کہ قبل اس سے کہ حضرت امام حسنؓ کی یہ شرائط امیر معاویہؓ کے پاس پہنچتیں۔ امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر حضرت امام حسنؓ کے پاس بھیج دیا کہ اس پر آپ جو شرائط چاہیں درج کردیں۔ مجھے آپ کی ساری شرائط منظور ہوں گی۔ جب حضرت امام حسنؓ کو امیر معاویہؓ کا یہ مہر شدہ کاغذ ملا تو انہوں نے اس پر اور بہت سی شرطیں لکھ دیں جو پہلے شرائط نامے میں درج نہ تھیں مگر امیر معاویہؓ نے یہ شرائط تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ جو شرائط آپ پہلے لکھ کر بھیج چکے ہیں میں صرف انہیں کی پابندی کروں گا۔ (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص۲۰۴)

اگر اس روایت کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے راوی کا مقصد یہ تھا کہ امیر معاویہؓ کو جھوٹا، دغاباز، اور عہد شکن ثابت کیا جائے۔ یہ روایت بیان کر کے وہ بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس کی سطحی نگاہ سے یہ حقیقت اوجھل ہو گئی کہ اس نے جو وار امیر معاویہؓ پر کیا تھا اس کا نشانہ حضرت امام حسنؓ بن گئے۔ کیونکہ اس روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام موصوف نہایت حریص آدمی تھے۔ پہلے شرائط نامے میں اپنے لئے علاقہ اہواز کا خراج اور اپنے بھائی کے لئے دو لاکھ سالانہ وظیفہ لکھوا لینے کے بعد بھی ان کی ہوس زر کم نہ ہوئی اور موقع ملتے ہی انہوں نے کچھ اور مطالبے کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ امر حضرت امام حسنؓ کے بلند روحانی واخلاقی مرتبے اور آپ کی مسلمہ سیر چشمی کے بالکل برعکس ہے اور یہ طریق کار کسی طرح آپ کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ روایت سرے سے جھوٹی ہے۔ اسی طرح پہلے شرائط نامے میں حضرت امام حسنؓ کی طرف سے اپنے لئے علاقہ اہواز کا خراج اور اپنے بھائی کے لئے دو لاکھ سالانہ وظیفے کی جو روایت منسوب کی جاتی ہے وہ بھی قطعی طور پر وضعی ہے کیونکہ اگر یہ روایت درست تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ حضرت امام حسنؓ

نے خلافت چند لاکھ درہم کے عوض امیر معاویہؓ کے ہاتھ بیچ ڈالی۔
ظاہر ہے کہ یہ بات نہ صرف حضرت امامؓ کے علو نے مرتبت کے
خلاف ہے بلکہ واقعات بھی اس کی تائید نہیں کرتے جیسا کہ گذشتہ
صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے تو محض اللہ
تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور مسلمانوں کو تفرقہ و خوں ریزی
سے بچانے کے لئے خلافت سے دست برداری قبول کی تھی،
اس سے مالی فائدہ حاصل کرنا آپ کے پیش نظر نہ تھا یہ بات
ہم نے صرف حسنِ ظن یا قیاس کی بنا پر نہیں کہی ہے بلکہ اس کے
حق میں ایک بڑی وزنی دلیل ہمارے پاس موجود ہے اور وہ بھی
حضرت امام حسنؓ کی ایک تقریر ہے جو آپ نے خلافت سے
دست برداری کے بعد مجمع عام میں کہی تھی۔ اس تقریر میں آپ
نے فرمایا تھا کہ

"اما بعد۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے تمہارے
اگلوں کو ہماری وجہ سے ہدایت یافتہ بنایا
اور تمہارے پچھلوں کو خوں ریزی سے بچا لیا
سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جس نے
تقویٰ اختیار کیا اور سب سے بڑا بیوقوف

وہ ہے جس نے بداعمالیاں کیں۔ یہ مسئلہ (خلافت) جو میرے اور معاویہؓ کے درمیان مختلف فیہ ہے اس کے مستحق معاویہؓ ہیں یا میں؟ دونوں صورتوں میں امتِ محمدیہ کی فلاح اور مسلمانوں کو قتل و غارت سے بچانے کے لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔

پھر امیر معاویہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے معاویہؓ! یہ خلافت تمہارے لئے بڑی آزمائش ہے اور اس کی حقیقت ایک عارضی سرمایہ سے زیادہ نہیں ہے۔" (اسد الغابہ جلد دوم ص۱۴)

حضرت امام حسنؓ نے یہ اعلان کوفہ کی جامع مسجد میں کیا تھا جہاں امیر معاویہؓ ان کے مصاحب، گورنر، فوج کے جرنیل اور معززین شہر کے علاوہ عوام کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اسی طرح اس اجتماع میں حضرت امام حسنؓ کے اعوان و انصار اور ان کے عقیدت مندوں کی بھی کافی تعداد شریک تھی۔ اگر ان کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان اس قسم کا کوئی معاہدہ ہوا ہوتا جس میں خراج اور وظائف وغیرہ کی شرائط درج تھیں تو وہ اپنی اس تقریر میں ضرور ان کا

ذکر کرتے تاکہ ہزاروں شرکائے جلسہ انہیں سن لیں اور کل کو معاویہؓ معاہدہ کی ان شرائط سے پھر نہ جائیں۔ مگر ان کی تقریر میں ان شرائط کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا اور نہ کوئی شرائط نامہ لکھا گیا۔ یہ سب جھوٹے قصے اور فرضی روایتیں ہیں جنہیں طبری نے بلا تحقیق کے اپنی تاریخ میں لکھ دیا اور بعد کے مورخوں نے آنکھیں بند کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

کیا خلافت پھر حسنؓ کو ملنی تھی؟

اس فرضی شرائط نامے میں جس کا ابھی تاریخ کی روشنی میں تجزیہ کیا جا چکا ہے مذکورہ شرائط کے علاوہ ایک شرط اور بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد خلافت پھر حضرت امام حسنؓ کو ملے گی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ امیر معاویہؓ اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کریں گے بلکہ ان کی وفات کے بعد مسلمان جسے چاہیں گے اپنا امیر منتخب کر لیں گے۔ اوّل تو دونوں روائتوں کا تضاد ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ جعلی روائتیں ہیں، کیونکہ اگر پہلی روایت صحیح ہے تو دوسری غلط ہے اور اگر دوسری صحیح

ہے تو مہمل غلط ہے۔ پھر یہ کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امام حسنؓ نے تفویض خلافت کے وقت یہ عہد لے لیا تھا کہ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد وہ (حضرت امام حسنؓ) خلیفہ ہوں گے تو اس پر ایک بہت بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ امام حسنؓ کو قبل از وقت کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ زندہ رہیں گے اور امیر معاویہؓ وفات پا جائیں گے جب کہ عملاً اس کے برعکس ہوا یعنی امام حسنؓ پہلے فوت ہو گئے اور امیر معاویہؓ امام حسنؓ کے انتقال کے بعد کم و بیش دس سال تک زندہ رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت کس قدر مضحکہ خیز ہے دوسرے تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں ان دونوں روایتوں میں سے کسی روایت کا ذکر نہیں ہے جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں ان میں سے پہلی روایت درج کی ہے مگر نہ کوئی سند ہے نہ حوالہ۔ ظاہر ہے کہ ایسا دعویٰ جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور جس کے حق میں ایک دلیل بھی نہ دی گئی ہو کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے۔ سیوطیؒ کے بعد دوسرے مورخ ابن عبدالبر ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "استیعاب" میں یہ روایت درج کی ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ صرف امیر معاویہؓ کی وفات تک کے لئے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے۔ وہ کون سے علماء ہیں جو ایسا کہتے ہیں۔ انہوں نے

کن کن راویوں سے روایت کی ہے ، ان کا سلسلہ کیا ہے، ان میں سے کون ثقہ اور کون غیر ثقہ ہیں یا سب ثقہ ہیں ۔ ان میں سے کسی سوال کا جواب عبدالبر نے نہیں دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہوائی تھی جو کسی نے اڑا دی اور ابن عبدالبر نے اس پر یقین کر لیا۔ سیوطیؒ اور عبدالبر کے علاوہ جتنے بڑے بڑے مورخ گذرے ہیں ان سب کی کتابیں ان دونوں روایتوں سے خالی ہیں ۔ طبری ، الدینوری ، مسعودی ، ابن اثیر ، ابن خلدون حتیٰ کہ یعقوبی تک (جو شیعہ مورخ تھا) ان روایتوں کو اپنی کتابوں میں درج نہیں کرتا ۔ اگر ان میں کچھ بھی حقیقت ہوتی اور یہ لوگ ان روایتوں کو کچھ بھی وقیع سمجھتے تو ضرور قبول کر لیتے ۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؓ وفات پا جاتے ہیں اور امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لئے حجاز جا کر وہاں کے اکابر کو اپنا ہمنوا بنا لینے کی کوشش کرتے ہیں تو اس موقع پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت امام حسینؓ پوری شدت سے امیر معاویہؓ کے اس ارادے کی مخالفت کرتے ہیں ۔ اس مخالفت کے سلسلے میں وہ متعدد دلائل پیش کرتے ہیں ۔ مثلاً

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا جانشین ضرور نامزد کیا مگر مسلمانوں کے مشورے سے۔ وہ جانشین بھی ان کا بھائی یا بیٹا نہیں تھا بلکہ ایک غیر خاندان کا شخص تھا۔ اہل حجاز کے ان نمائندوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ اگر آپ حضرت ابوبکرؓ کے طریق کار ہی کو اپنانا چاہتے ہیں تو کسی ایسے شخص کو نامزد کیجئے جس سے آپ کا کوئی رشتہ نہ ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال سے پہلے چھ افراد کا ایک کمیشن مقرر کر دیا تھا۔ انہیں میں امر خلافت کو محدود کر دیا تھا۔ اہل حجاز کے ان نمائندوں نے دوسری صورت یہ پیش کی کہ آپ بھی حضرت عمرؓ کے طریق کار کے مطابق ایک کمیشن بنا دیجئے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ ہمارے لئے سب سے بہتر نمونہ رسول اللہؐ کا ہے کہ آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا بلکہ یہ امر امت پر چھوڑ دیا کہ وہ جسے چاہے اپنا خلیفہ منتخب کر لے۔ پس بہتر تو یہ ہے کہ آپ رسول اللہؐ کا طریقہ کار اختیار کیجئے اور کسی کو اپنا جانشین مقرر ہی نہ کیجئے۔

(الکامل ابن اثیر جلد سوم ص۲۴۲)

یہ تھے وہ دلائل جو ان حضرات نے امیر معاویہؓ کے طریق کار کو

غلط ثابت کرنے کے لئے پیش کئے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ
امیر معاویہؓ اگر حضرت امام حسنؓ کو خلافت حاصل کرتے وقت یہ شرط لکھ کر
دے چکے ہوتے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین نہیں بنائیں
گے تو فوراً حضرت امام حسینؓ یہ شرائط نامہ ان کے سامنے پیش کر دیتے
اگر یہ معاہدہ زبانی ہوا تھا تو وہ انہیں ان کی یہ شرط یاد دلا کر ضرور کہتے کہ
آپ نے تو میرے برادرِ اکبر سے خلافت حاصل کرتے وقت عہد کیا
تھا کہ میں اپنی زندگی میں کسی کو جانشین مقرر نہیں کروں گا۔ اب اس
عہد کی خلاف ورزی کیوں کر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کہا
تاریخ کی کسی ایک کتاب سے بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت
امام حسینؓ نے امیر معاویہؓ کے اس اقدام کے خلاف یہ دلیل بھی دی ہو
پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالکل لغو اور بے اصل روایت
ہے جو امیر معاویہؓ کو عہد شکن اور چال باز ثابت کرنے کے لئے وضع
کی گئی ہے۔

حضرت حسنؓ کی وفات

خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت امام حسنؓ اپنے
اہل و عیال اور اہل بیت کو لے کر مدینہ چلے گئے اور زندگی کے باقی ایام

وہیں گزار کر ربیع الاول ۴۹ھ میں انتقال فرما گئے۔ (یعقوبی جلد دوم ص۲۶۶)

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے آپؓ نے ایک خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ لکھا ہوا ہے۔ اہل بیت کو یہ خواب سن کر بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے اسے حضرت امام حسنؓ کے لئے ایک نیک فال قرار دیا مگر جب یہ خواب حضرت سعید بن مسیبؒ کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ امام حسنؓ کا یہ خواب اگر سچا ہے تو ان کی عمر بہت کم رہ گئی ہے۔ وہی ہوا۔ اور اس کے چند روز بعد آپ وفات پا گئے۔ (تاریخ الخلفا سیوطی)

اپنی وفات سے قبل آپ نے حضرت امام حسینؓ کو حضرت عائشہ کی خدمت میں یہ پیغام دیکر بھیجا کہ مجھے جوارِ رسولؐ میں دفن ہونے کی بڑی آرزو ہے اگر آپ اجازت دیں تو مجھے دفن کر دیا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے بلا پس وپیش اجازت دیدی۔ جب آپ پر نزع کا عالم طاری ہونے والا تھا تو اس سے کچھ دیر پہلے آپ نے حضرت امام حسینؓ کو تاکید فرمائی کہ میری وفات کے بعد تم پھر حضرت عائشہؓ کے پاس جانا اور دوبارہ پھر اجازت لے لینا۔ ممکن ہے انہوں نے میری مروت کی وجہ سے اس وقت اجازت دیدی ہو اور میرے انتقال کے بعد لوگوں کے کہنے کی وجہ سے تردد پیدا ہو جائے۔ مجھے اس امر کا بھی خطرہ ہے کہ بنو امیہ میرا روضہ رسولؐ میں دفن ہونا گوارا نہیں کریں گے اگر ایسی صورت پیش آئے اور دیکھو کہ فساد کا اندیشہ ہے

تو پھر مجھے بقیع کے قبرستان میں دفن کردینا۔ (مروج الذہب جلد سوم صفحہ ۳۹)

وہی ہوا جس کا حضرت امام حسنؓ کو اندیشہ تھا۔ مروان بنو امیہ کی ایک جماعت کو لے کر آ گیا اور اس نے حضرت امام حسنؓ کو روضۂ رسولؐ میں دفن کرنے کی بڑی شدت سے مخالفت کی۔ ایک روایت کے مطابق اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عثمانؓ تو بقیع کے قبرستان میں دفن ہوں اور حسنؓ روضۂ رسولؐ میں دفن کئے جائیں۔ جب فساد اور ہنگامے کی صورت پیدا ہونے لگی تو حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اور بنو ہاشم کے دوسرے اکابر کے مشورے اور حضرت امام حسنؓ کی وصیت کے مطابق آپ کو بقیع کے قبرستان میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کے جنازے کی نماز حاکم مدینہ سعید بن العاص نے پڑھائی۔ (اسد الغابہ جلد دوم صفحہ ۱۵)

تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی وفات کی خبر سنتے ہی مدینہ میں ایک حشر سا برپا ہو گیا۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی، دوکانیں بند ہو گئیں راستوں اور گلیوں میں ویرانی کا سا عالم چھا گیا۔ خصوصاً بنو ہاشم کی عورتوں نے کتنے ہی دن سوگ منایا۔ رسول اللہؐ کے مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ کی کیفیت تو ناقابل بیان تھی۔ مسجد نبوی کے در و دیوار ان کی آہ و زاری

سے گونج رہے تھے۔ خود بھی روتے جاتے تھے اور لوگوں سے بھی چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ "اے لوگو! خوب رو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب سے دنیا خالی ہو گئی" (تہذیب التہذیب جلد دوم ص۳۰۱)

آپ کا جنازہ اس شان سے اٹھا کہ اس کی نظیر بہت کم دیکھنے میں آئی ہو گی۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ باید و شاید۔ ثعلبہؓ بن ابی مالک جو آپ کے جنازے میں شریک تھے بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ کے جنازے میں لوگوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر سوئی جیسی باریک چیز بھی پھینک دی جاتی تو اژدحام کی وجہ سے زمین پر نہ گرتی۔

(تہذیب الکمال ص۹۰)

کیا حضرت حسنؓ کی موت زہر سے ہوئی؟

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی وفات زہر سے ہوئی اور یہ زہر معاویہؓ کے اشارے سے دیا گیا۔ یہ روایت اس قدر مشہور ہو چکی ہے کہ ہر شخص اسے صحیح سمجھتا ہے اور اس کی تردید کرنا اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اس لیے جن لوگوں کو یہ روایت مشتبہ نظر آتی ہے وہ بھی اپنے شبہ کا اظہار کرتے ہوئے اس خوف سے گھبراتے ہیں کہ کہیں قارئین کی جذباتی کیفیت کا شکار نہ ہو جائیں۔ لیکن

ہمارے خیال میں یہ طریقۂ کار دیانت، جرأت اور تاریخ نویسی تینوں کے اصول کے خلاف ہے۔ مورخ کا کام یہ ہے کہ وہ واقعات کی تہہ تک پہنچے اور صحیح واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے صحیح نتیجہ نکال کر بلاخوف وخطر اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دے قطع نظر اس سے کہ کوئی ناراض ہوتا ہے یا خوش۔ کیونکہ مورخ کا کام لوگوں کی دل جوئی کرنا نہیں ہے۔ اس مقدس فرض کی ادائیگی کے اور بہت سے راستے ہیں اس لئے ہم ذیل میں اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں۔

اس روایت کے تین حصے ہیں۔ کچھ محدثین و مورخین کا خیال ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی موت زہر سے ہوئی مگر وہ زہر دینے والے کا نام نہیں بتاتے ہیں۔ محدث حاکم نے یہی روش اختیار کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"ام بکر بنت مسعود کا بیان ہے کہ حسنؓ بن علیؓ کو متعدد بار زہر کھلایا گیا لیکن ہر بار وہ اس کے اثر سے محفوظ رہے مگر جب آخری بار انہیں زہر دیا گیا تو وہ جاں بر نہ ہو سکے اس بار ان کے جگر کے ٹکڑے گرتے

رہے۔ (مستدرک حاکم جلد سوم ص۱۷۳)

اس روایت میں کسی زہر دینے والے کا نام نہیں ہے۔

علامہ عسقلانی نے بھی زہر دینے کا واقعہ تو لکھا ہے مگر انہوں نے بھی زہر دینے والے کے نام کا کوئی تذکرہ نہیں کیا وہ لکھتے ہیں کہ۔

"عمر بن اسحاق اور ان کے ایک اور دوست حضرت امام حسنؓ سے ملنے گئے۔ حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا کہ میرے جگر کے ٹکڑے گرے ہیں۔ اس سے پہلے مجھے متعدد بار زہر دیا گیا بعد ازاں امام حسینؓ حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے زہر دینے والے کا نام دریافت کرنا چاہا لیکن حضرت امام حسنؓ نے نام نہیں بتایا۔" (اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد دوم ص۱۳)

مشہور شیعہ مورخ یعقوبی نے بھی زہر دینے کی روایت بیان کی ہے مگر انہوں نے بھی زہر دینے والے کا نام نہیں بتایا وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"جب حضرت امام حسنؓ کی وفات کی ساعت قریب آئی تو آپ نے اپنے بھائی حضرت امام حسینؓ

سے کہا کہ اے میرے بھائی یہ تیسرا اور آخری موقع ہے کہ مجھے زہر دیا گیا لیکن ایسا سخت زہر کبھی نہیں دیا گیا میں آج ہی وفات پا جاؤں گا جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے روضۂ رسول میں دفن کر دینا کیونکہ رسول اللہ سے قرابت کی وجہ سے جو استحقاق مجھے حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے لیکن اگر لوگ مزاحم ہوں تو خون ریزی سے گریز کرنا۔ (یعقوبی جلد دوم ص ۲۲۶)

ان محدثین و مورخین کے علاوہ طبری اور ابن سعد نے بھی یہ روایت بیان کی ہے مگر ان دونوں جلیل القدر مورخین نے بھی زہر دینے والے کا نام نہیں لکھا۔

اس روایت کا دوسرا پہلو وہ ہے جس میں زہر دینے والے کی حیثیت سے حضرت امام حسنؓ کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث کا نام بتایا گیا ہے لیکن جعدہ نے یہ زہر کس کے اشارے سے دیا۔ اس کے متعلق ان مورخین نے خاموشی اختیار کی ہے۔۔۔۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی بات ان کے ذہن میں تھی ہی نہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ ان تک جو روایتیں پہونچیں ان میں اس بات کا مطلق

ذکر نہیں تھا کہ جعدہ بنت اشعث نے کسی کے اشارے سے زہر دیا۔
چنانچہ ابن اثیر نے صرف اتنے پر اکتفا کی ہے کہ

"اسی سال حسنؓ بن علیؓ کا انتقال ہوا
انہیں ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس
کندی نے زہر پلایا تھا۔ (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص۴۶۳)

تاریخ کی دوسری مشہور کتاب اسد الغابہ ہے۔ اس میں بھی یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے مگر اس کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ جعدہ نے یہ زہر کس کے اشارہ سے دیا تھا۔ چنانچہ اسد الغابہ کا مولف لکھتا ہے کہ

"حضرت حسنؓ کی وفات کا باعث یہ ہوا
کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے انہیں
زہر دے دیا تھا۔ (اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ
ان کے پاس ایک طشت رکھا جاتا تھا جب
وہ خون سے بھر جاتا تھا تو اسے اٹھا کر دوسرا
رکھ دیا جاتا تھا یہ حالت چالیس روز تک رہی
حتیٰ کہ وہ اسی میں انتقال کر گئے۔ (اسد الغابہ جلد دوم ص۱۵)

اس روایت کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جعدہ نے امیر معاویہؓ کے اشارہ سے حضرت امام حسنؓ کو زہر دیا تھا۔

اس سلسلے میں مورخ ابوالفدا کا بیان یہ ہے کہ:۔

"حضرت امام حسنؓ زہر سے فوت ہوئے یہ زہر ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے دیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جعدہ نے یہ کام امیر معاویہؓ کے اشارے سے کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یزید کے اشارے سے۔" (تاریخ ابوالفدا جلد اول ص۱۸۳)

دوسرا مورخ مسعودی ہے جو زہر دینے کا واقعہ بیان کر کے لکھتا ہے کہ:۔

"کہا جاتا ہے کہ ان (حضرت امام حسنؓ) کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے معاویہؓ کے ایماء سے انہیں زہر دیا تھا۔" (مروج الذہب ص۳۴)

تیسرے مورخ علامہ ابن عبدالبر ہیں جو یہ روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"حسنؓ بن علیؓ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر پلا دیا تھا۔ ایک قلیل جماعت کا کہنا ہے کہ یہ کام معاویہؓ کے ایماء سے ہوا۔" (استیعاب جلد اول ص۱۴۴)

حضرت امام حسنؓ کو زہر دینے کے معاملے میں یہ تین مورخ ایسے ہیں جنہوں نے معاویہؓ کی شرکت ظاہر کی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں سے ہر مورخ اس واقعہ سے معاویہؓ کی برّیت کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ تینوں مورخوں ابو الفدا، مسعودی اور عبدالبر نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد "کہا جاتا ہے"، "بعض لوگوں نے کہا ہے"۔ یا "ایک قلیل جماعت کا بیان ہے" کے الفاظ لکھے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان مورخوں کا اپنا خیال نہیں ہے بلکہ انہوں نے دوسرے لوگوں کے شبہات ظاہر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک مورخ ابو الفدا نے لکھا ہے کہ یہ زہر معاویہؓ اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق یزید کے اشارے سے دیا گیا۔ گویا ابو الفدا اور خود یہ روایت مشہور کرنے والے لوگ بھی متردد ہیں کہ دونوں میں سے کس نے زہر دیا۔ اس طرح اس روایت کی حیثیت بالکل مشکوک ہو گئی۔

پھر یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے قدیم عربی تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ قدیم مورخ جب کوئی روایت بیان کرتے تھے تو اس کے ساتھ وہ یہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ روایت کی زید نے بکر سے۔ بکر نے عمر سے۔ عمر سے فلاں

نے اور فلاں سے فلاں نے ۔تاکہ ان روایات کو پرکھنے والے ان کے راویوں کی اخلاقی حالت اور ان کے کردار کا اندازہ لگا کر نتیجہ نکال سکیں کہ یہ روایت قابل قبول ہے یا نہیں ؟ کیونکہ اگر ان راویوں میں سے کوئی راوی کذب بیانی یا فسق و فجور کے الزام سے متہم ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی یا اگر ان راویوں کے درمیان میں کسی جگہ روایت کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو بھی یہ روایت پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہے مگر سطور بالا میں ہم نے جن مورخین کا ذکر کیا ہے انہوں نے کسی راوی کا نام نہیں لکھا اور نہ راویوں کا کوئی سلسلہ بیان کیا ۔صرف اتنا کہہ دینے سے کہ "کہا جاتا ہے" یا "بعض لوگ کہتے ہیں" مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ۔کیونکہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔کون لوگ کہتے ہیں ؟ جو لوگ کہتے ہیں ؟ وہ کس معیار اخلاق یا کردار کے لوگ تھے ؟ ان مورخین کی کتابیں ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں ۔ہاں ایک مورخ ضرور اس کا جواب دیتا ہے یعنی ابن عبدالبر ۔وہ کہتے ہیں کہ ایک قلیل جماعت کا بیان ہے کہ جعدہ بنت اشعث نے معاویہؓ کی تحریک پر حضرت امام حسنؓ کو زہر دیا تھا ۔ (استیعاب جلد اول صـ۱۴۴)

یہ قلیل جماعت کون سی ہے ۔ظاہر ہے کہ علامہ ابن عبدالبر کا اشارہ

ان حضرات کی طرف ہے جو اصحابِ ثلاثہ کے مخالف ہیں اور سب جانتے ہیں کہ یہ حضرات امیر معاویہؓ سے خفا ہیں اور ان کے خلاف اپنے سینوں میں تعصب رکھتے ہیں۔ پس اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ انہیں حضرات نے امیر معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لئے یہ افسانہ تصنیف کیا اور پھر خوب ہوا دی۔ ہمارے اس خیال کی تائید مشہور مورخ علامہ ابن خلدون کے بیان سے بھی ہوتی ہے وہ حضرت امام حسنؓ کی وفات کا واقعہ بیان کرتے ہیں مگر نہ کہیں جعدہ کے زہر دینے کا ذکر کرتے ہیں اور نہ معاویہ کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں بلکہ وہ زہر دینے ہی کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ان کا بیان یہ ہے کہ:۔

"حضرت امام حسنؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت اہل کوفہ نے گریہ و زاری کے ساتھ انہیں الوداع کہا۔ وہ اپنی وفات تک مدینہ ہی میں رہے اور ۴۹ھ میں ان کا انتقال ہو گیا اور یہ جو روایت مشہور ہے کہ معاویہؓ نے ان کی بیوی سے سازش کر کے انہیں زہر

دیا[1] کی گھڑی ہوئی ہے۔ (ابن خلدون جلد دوم ص۱۸۲)

پھر امام ابن تیمیہ کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے ان کا بیان ہے کہ۔

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسنؓ کو معاویہؓ نے زہر دلوایا تھا مگر اس کے لئے نہ کوئی شرعی دلیل دی جاتی ہے نہ کوئی قابل اعتبار روایت پیش کی جا سکتی ہے جسے اس واقعہ کے لئے بطور شاہد پیش کیا جا سکے۔ (منہاج السنۃ جلد دوم ص۲۲۵)

اب رہ گیا جعدہ کا قصہ کہ اس نے از خود یا کسی رنجش کی بناء پر زہر دے دیا تو ہمارے خیال میں یہ روایت بھی غلط ہے کیونکہ اوّل تو متعدد مورخوں نے زہر دینے والے کا نام لکھا ہی نہیں جیسے محدث حاکمؒ، علامہ عسقلانیؒ، علامہ ابن خلدون اور مشہور شیعہ مورخ یعقوبی پھر (اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر کے لئے صحیح بھی مان لیا جائے کہ انہیں زہر دیا گیا تو) جب حضرت امام حسنؓ سے

---

[1] یہاں علامہ ابن خلدون نے مسلمانوں کے ایک مخصوص فرقہ کا نام لکھا ہے جسے ہم نے حذف کر دیا ہے (مصنف)۔

دریافت کیا گیا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے تو آپ نے اس کے جواب میں کسی کا نام ہی نہیں بتایا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر جعدہ کو زہر دینے کے الزام سے کیسے متہم کیا جاتا ہے اور معلومات کے وہ کون سے ذرائع تھے جن کی بنا پر جعدہ موردِ الزام قرار دی گئی۔

اس لئے روایات کے اس سارے ذخیرہ کا بہ نظرِ غائر جائزہ لینے کے بعد ہمارا خیال ہے کہ حضرت امام حسنؓ کو زہر دیا ہی نہیں گیا بلکہ آپ کی وفات انتڑیوں کے زخموں کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ مورخ مسعودی کے بقول جب حضرت امام حسنؓ قضائے حاجت کے لئے گئے تو اجابت میں خون آیا (جس کا کچھ حصہ منجمد بھی تھا) (مولف) (مروج الذہب صفحہ ۳۸)

اس منجمد خون کو مسعودی نے جگر کے ٹکڑے ظاہر کیا ہے،

مسعودی بھی ان مورخوں میں ہے جو حضرت امام حسنؓ کو زہر دیئے جانے کی روایت تو بیان کرتا ہے مگر اس میں یزید معاویہؓ اور جعدہ میں سے کسی کا نام نہیں لکھتا ہے۔ زہر دینے کی روایت بھی مسعودی نے عام خیال کے مطابق لکھ دی ورنہ اس کی روایت کا وہی حصہ صحیح ہے جس میں وہ اجابت میں خون آنے کا واقعہ بیان کرتا ہے کیونکہ دوسری روایتیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

اخبار الطوال کا مولف بھی جو تیسری صدی ہجری کا مورخ ہے۔

زہر خورانی کی روایات کو غلط سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس سلسلے میں خاصہ طویل بیان اپنی کتاب میں درج کیا ہے مگر ایک جگہ بھی اشارہ تک نہیں کیا کہ حضرت امام حسنؓ کی وفات زہر کے اثر سے ہوئی تھی۔ ذیل میں ہم اس کی روایت درج کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

امام حسنؓ مدینہ میں علیل ہو گئے۔ جب حالت زیادہ خراب ہو گئی تو ان کے بھائی محمد بن الحنفیہؒ کو اطلاع دی گئی۔ اس وقت وہ اپنی ملکیتی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ محمد بن حنفیہؒ حضرت امام حسنؓ کے انتقال سے پہلے پہنچ گئے۔ وہ ان کی بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت امام حسینؓ دائیں طرف اتنے میں حضرت امام حسنؓ نے آنکھیں کھولیں اور حضرت امام حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میرے بھائی! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ سے حسنِ سلوک سے پیش آنا کیونکہ میں انہیں اتنا ہی عزیز رکھتا ہوں۔ جتنا

دونوں آنکھوں کے درمیانی حصہ کی کھال کو
اس کے بعد آپ محمد بن الحنیفہ کی طرف مخاطب
ہوئے اور ان سے کہا کہ میں تمہیں حسینؓ کی امداد
کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ مجھے میرے
نانا (صلعم) کے جوار میں دفن کر دینا لیکن
اگر تمہاری مزاحمت کی جائے تو پھر بقیع میں
دفن کرنا۔ یہی ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد
مروان نے حضرت امام حسنؓ کو جوارِ رسولؐ میں دفن
کرنے کی مخالفت کی اور انہیں بقیع میں سپردِ
خاک کر دیا گیا۔ (اخبار الطوال الدینوری ص ۲۳۴/۲۳۵)

اس روایت میں بھی شروع سے آخر تک کسی جگہ حضرت امام
حسنؓ کو زہر دیئے جانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ صاف طور پر لکھا ہوا
ہے کہ آپ بیمار ہوئے۔ اصل کتاب کے الفاظ یہ ہیں۔

"ثم ان الحسنؑ اشتکی بالمدینۃ"

عربی زبان کا کوئی عالم یا عربی لغت کا کوئی ماہر ہمیں بتائے
کہ ان الفاظ میں سے کس لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
امام حسنؓ کو زہر دیا گیا۔ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس

طرح لوگ بیمار ہو جاتے ہیں اسی طرح حضرت امام حسنؓ بھی بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں ان کی حالت خراب ہوئی یہاں تک کہ وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت امام حسنؓ کی بیویوں کا مسئلہ

جس طرح بعض لوگوں نے امیر معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لئے حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور آپ کی وفات سے متعلق طرح طرح کی روائتیں تصنیف کیں اسی طرح بنو امیہ کے کذابین نے حضرت امام حسنؓ کو بدنام کرنے کے لئے ان کے دامنِ شہرت پر طرح طرح کے داغ لگائے۔ مشہور کیا گیا کہ حضرت امام حسنؓ بے حد عیاش طبع انسان تھے۔ انہوں نے بڑی کثرت سے شادیاں کیں جن کی تعدادِ نوّے اور ننانوے تک بیان کی گئی یہاں تک کہ دیا کہ ان کی طلاق دی ہوئی عورتوں سے مدینہ میں ایک محلہ آباد ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت ان لوگوں پر ہے جو اپنے آپ کو محبِ اہل بیت کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی یہ روایتیں قبول کر لیں اور حضرت علیؓ کی طرف ایک فرضی خطبہ منسوب کر دیا جس میں آپؓ نے لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ

حسنؓ کو اپنی بیٹیاں نہ دیا کرو انھیں کثرت سے شادیاں کرنے اور طلاق دینے کی عادت ہے۔ لیکن جب ہم تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں اس الزام میں قطعاً صداقت نظر نہیں آتی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت امام حسنؓ نے نوے یا ننانوے شادیاں کی ہوتیں تو ان کا ذکر تاریخ میں ضرور ہوتا اور ان کی بیویوں کے نام مورخین نے درج کئے ہوتے جب کہ تمام خلفاء اور سلاطین کی شادیوں کا ذکر اور ان کی ایک ایک بیوی حتیٰ کہ بچوں تک کے نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ بیان کی طوالت سے بچنے کے لیے ہم صرف خلفائے راشدین کی بیویوں کے ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ابن سعد نے اپنی مشہور کتاب طبقات میں حضرت ابوبکرؓ کی بیویوں کے نام درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے مختلف اوقات میں چار شادیاں کیں۔

۱۔ قتیلہ۔ ان کا نام قتلہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ۲۔ ام رومانؓ جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ۳۔ حضرت اسماءؓ جن کے بطن سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ ۴۔ حبیبہ بنت خارجہ جن سے حضرت ابوبکرؓ کی پیاری بیٹی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

پھر اسی مشہور مورخ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں حضرت عمرؓ کی بیویوں کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے مختلف اوقات میں چھ شادیاں کیں جن کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

۱۔ زینب۔ یہ مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں۔
۲۔ قریبہ۔ یہ ابی امیہ المخزومی کی بیٹی تھیں۔ ۳۔ ملیکہ۔ یہ جرول کی بیٹی تھیں۔

۴- جمیلہ - ان کو کسی رجہ سے طلاق دے دی تھی - ۵- عاتکہ - یہ زیدان کی بیٹی تھیں اور پہلے عبداللہ بن ابوبکرؓ کے نکاح میں تھیں - ۶- ام کلثومؓ یہ حضرت علیؓ کی بیٹی تھیں -

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ تھے - صاحبِ طبقات کے بیان کے مطابق انھوں نے مختلف اوقات میں آٹھ شادیاں کیں جن کی تفصیل یہ ہے -

۱- رقیہؓ - آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں - ۲- حضرت ام کلثومؓ - آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں - ۳- فاختہ بنت غزوان - ۴- ام عمرو بنت جندب - ۵- فاطمہ بنت ولید - ۶- ام البنین بنت عنیبہ - ۷- رملہ بنت شیبہ - ۸- نائلہ بنت الفرافصہ جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت ان کے پاس موجود تھیں اور قاتلوں کے ایک وار سے ان کی انگلیاں کٹ گئی تھیں -

چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے - آپ نے مختلف اوقات میں نو شادیاں کیں جن کی تفصیل یہ ہے -

۱- سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری صاحبزادی تھیں - ۲- ام البنین بنت حزام - ۳- لیلیٰ بنت مسعود ۴- اسماء بنت عمیس - ۵- ام حبیب بنت ربیعہ - ۶- امامہ بنت ابی العاص ۷- خولہ بنت جعفر - ۸- ام سعید بنت عروہ - ۹- محیاۃ بنت امراء القیس -

اب ہم آخری خلیفہ راشد حضرت امام حسنؓ کی بیویوں کے سلسلے میں

تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے مختلف اوقات میں مندرجہ عورتوں سے شادیاں کیں۔

۱۔ خولہ بنت منظور فزاریہ جو حضرت امام حسنؓ کی زندگی کے آخری لمحے تک ان کی رفیقہ حیات رہیں۔ ۲۔ جعدہ بنت اشعث۔ یہ بھی حضرت امام حسنؓ کی زندگی کے آخری دن تک آپ کی وفادار بیوی رہیں۔ بعض کمزور روایتوں میں انھیں پر حضرت امام حسنؓ کو زہر دینے کا الزام لگایا گیا ہے۔ ۳۔ عائشہ خثعمیہ۔ ۴۔ ام کلثوم بنت فضل بن عباسؓ۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی پوتی تھیں۔ ۵۔ ام اسحاق۔ یہ طلحہ بن عبداللہ تیمی کی بیٹی تھیں۔ ۶۔ ام بشیر یہ ابی مسعود انصاری کی بیٹی تھیں۔ ۷۔ ہند یہ حضرت ابوبکرؓ کی پوتی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ ۸۔ ام عبداللہ۔ ۹۔ رملہ جن کے بطن سے آپ کے صاحبزادے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے یہ وہی قاسمؓ ہیں جنھوں نے حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا کے میدان میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ ۱۰۔ قبیلہ بنی شیبان کی ایک خاتون جن کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص۲۱۴۔ ابن جوزی ص۲۷ شرح ابن ابی الحدید جلد چہارم ص۸)

گویا تاریخ ہمیں ان دس خواتین کے نام بتاتی ہے جن سے حضرت امام حسنؓ نے وقتاً فوقتاً شادیاں کیں۔ ان کے علاوہ بعض مورخین نے تین اور شادیوں کا بھی ذکر کیا ہے مگر نہ ان عورتوں کے نام درج کئے ہیں نہ یہ کہ وہ کس کی بیٹیاں تھیں کس خاندان اور کس قبیلے سے ان کا تعلق تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی مجہول

روائتیں کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ اب پانچوں خلفائے راشدین کی ازدواج پر ایک نظر ڈالیئے اور دیکھئے کہ حضرت امام حسنؓ نے کون سا گناہ کیا کہ انھیں موردِ الزام قرار دیا جائے۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے چار شادیاں کیں۔ ۲۔ حضرت عمرؓ نے چھ شادیاں کیں۔ ۳۔ حضرت عثمانؓ نے آٹھ شادیاں کیں۔ ۴۔ حضرت علیؓ نے نو شادیاں کیں۔ ۵۔ حضرت حسنؓ نے دس شادیاں کیں۔

اگر چار، چھ، آٹھ اور نو شادیاں کرنے والے بزرگوں پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تو دس یا بارہ شادیاں کرنے والے پر الزام کیسے لگ سکتا ہے کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ حضرت امام حسنؓ کو مطعون کرنے کے لیے یہ جھوٹے قصے تصنیف کئے گئے اور کثرت ازدواج سے متعلق طرح طرح کے افسانے تراشے گئے اگر انھوں نے متذکرہ عورتوں کے علاوہ کچھ اور نکاح کئے ہوتے تو تاریخ میں کہیں تو ان عورتوں کے ناموں کی صراحت ہوتی جو آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں جب کہ ہر خلیفہ کی بیویوں کے ناموں کی صراحت تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے اور یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ وہ کس کی بیٹیاں تھیں کس قبیلے یا خاندان سے ان کا تعلق تھا اور ان سے کتنی کتنی اولادیں پیدا ہوئیں پھر اگر امام حسنؓ نے نوے یا ننانوے شادیاں کی ہوتیں تو اسی کثرت سے ان کی اولاد بھی ہوتی اور یہ تعداد سینکڑوں تک تو ضرور پہنچی چاہیئے تھی مگر تاریخ میں ان کی اولاد کی جو تفصیل ملتی ہے وہ یہ ہے کہ:-

۱۔ حسن۔ ۲۔ زید۔ ۳۔ عمر۔ ۴۔ قاسم۔ ۵۔ ابوبکر۔ ۶۔ عبدالرحمٰن

۷۔ طلحہ۔ ۸۔ عبیداللہ (یعقوبی جلد دوم ص۲۷)
گویا یعقوبی کے بیان کے مطابق حضرت امام حسنؑ کی آٹھ اولادیں تھیں لیکن یعقوبی سے بھی زیادہ محتاط مورخ ابن قتیبہ نے آپ کی اولاد کی تعداد صرف چھ لکھی ہے جن میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں شامل ہیں۔ (معارف ابن قتیبہ ص۹۲)
کیا اولاد کی اس قلیل تعداد کے پیش نظر یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے نوے یا ننانوے شادیاں کی تھیں۔

اس عقلی بحث کے بعد اب ہم ان روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو حضرت امام حسنؑ کی کثرت ازدواج کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی روایت وہ ہے جو "نہج البلاغۃ" کے فاضل شارح ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب میں درج کی ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کی ستر بیویاں تھیں مگر جب ہم اس روایت کو نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو یہ نہایت ضعیف اور ناقابل قبول ثابت ہوتی ہے۔ اس روایت کا راوی علی بن عبداللہ بصری ہے جو مدائنی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اور روایت کے معاملے میں ناقابل اعتبار ہے۔ چنانچہ میزان الاعتدال کا موقف لکھتا ہے کہ "یہ شخص حدیث کے معاملے میں قوی نہیں ہے۔" (میزان الاعتدال جلد دوم ص۲۳۶)

ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی بیان کردہ روایت کسی صورت میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔
اس سلسلے کی دوسری روایت "قوت القلوب" کے مصنف کی ہے جس نے لکھا ہے کہ حسنؑ ایک ہی وقت میں چار عورتوں کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آتے

تھے اور پہلی چار عورتوں کو طلاق دے دیا کرتے تھے۔" (قوت القلوب جلد دوم ص۲۴۶)
یہ روایت ابن طالب مکی نے بیان کی ہے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت امام حسنؓ کی کثرتِ ازدواج کے متعلق جتنی روایتیں ملتی ہیں ان سب کا آغاز اسی ابن طالب مکی سے ہوا ہے۔ یہ ابن طالب مکی بڑا عالم آدمی تھا اس لیئے حضرت امام حسنؓ کے مخالفین لوگوں کو مرعوب کے لیئے اس کے نام سے منسوب ہونے والی روایت بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو چھپا لیتے ہیں کہ آخری زمانے میں اس ابن طالب مکی کے حافظے اور دماغ کی کیا حالت تھی؟ واقعہ یہ ہے کہ ابن طالب مکی آخر عمر میں خصوصاً اس عہد میں جب اس نے "قوت القلوب" تالیف کی ہے ہسٹریا کے موذی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس پر دماغی دورے پڑتے تھے اور اسے نسیان بھی لاحق ہو گیا تھا چنانچہ تذکرہ نویسوں اور اسماء الرجال کے مولفین نے لکھا ہے کہ ابن طالب مکی جب بغداد آیا تو لوگوں نے اسے بڑے احترام اور عقیدت سے ہاتھوں ہاتھ لیا مگر اس سے گفتگو کرنے کے بعد انھیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ واہی تباہی بکتا ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے اس سے راہ و رسم منقطع کر لی۔ اس کے فاترالعقل ہونے کا یہ بین کافی ثبوت ہے کہ اس نے انتقال سے پہلے اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ اگر میں مرتے وقت تمھارا ہاتھ پکڑ لوں تو سمجھ لینا کہ میری بخشش ہو گئی ہے اس صورت میں تم میرے جنازے پر مٹھائی تقسیم کرنا اور اگر ہاتھ نہ پکڑوں تو سمجھ لینا کہ میری نجات نہیں ہوئی۔ (لسان المیزان جلد ۷ ص۳۱۴، البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص۱۹)
معمولی عقل کا شخص بھی جانتا ہے کہ جزا و سزا کا معاملہ اس وقت شروع ہوتا ہے

جب انسان کی روح اس جسم خاکی سے نکل جاتی ہے اور جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو کبھی جسم میں واپس نہیں آتی۔ نہ روح نکلنے کے بعد کی کیفیات کوئی انسان اشارۃً و کنایۃً سے ظاہر کر سکتا ہے کیونکہ دنیا سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی صحیح الدماغ شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت کا راوی ابن طالب کی عقل و خرد سے بالکل عاری بلکہ دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور ایسے شخص کی روایات کسی طرح قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتیں۔

حضرت امام حسنؓ کو کثیر الازدواج ثابت کرنے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کی خبر سن کر مدینہ کی عورتوں کا جمِ غفیر آپ کے جنازے کے ساتھ ہو گیا۔ یہ عورتیں ننگے سر اور ننگے پیر حضرت امام حسنؓ کے جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں اور رو رو کر کہتی جاتی تھیں کہ ہم سب امام حسنؓ کی بیویاں ہیں لیکن جب ہم اس روایت کو درایت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو یہ بھی بالکل وضعی اور مہمل ثابت ہوتی ہے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب کسی عورت کو اس کا شوہر خواہ کتنی ہی معقول وجہ کے باعث طلاق دے دے تو ایسے شوہر کے خلاف قدرتاً اس کی مطلقہ بیوی کے دل میں نفرت اور غم و غصے کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور ناممکن ہے کہ ایسے شوہر کی وفات پر اس کی مطلقہ بیوی کو اتنا غم ہو کہ وہ ننگے سر اور بے اختیار ہو کر گھر سے باہر نکل آئے۔ پھر ان عورتوں کو تو اپنے سابق شوہر کی وفات کا رتی بھر غم نہیں ہو سکتا جنہیں کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق دی گئی ہو بلکہ وہ تو خوش ہوں گی کہ ان کی زندگی خراب کرنے والا آج دنیا سے رخصت ہو گیا۔

دوسری بات یہ کہ جس زمانے کا یہ ذکر ہے وہ آج کے زمانے کے مقابلے میں ہزار درجہ زیادہ شرم وحیا کا زمانہ تھا اور ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ تو خیر صحابہ تھے اس زمانے کے عام مسلمانوں کی اخلاقی وایمانی حالت بھی نہایت اچھی تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ مسلمان عورتوں کا ایک انبوہ کثیر ننگے سر اور ننگے پیر سڑکوں اور بازاروں میں سے گزرتا اور کوئی انھیں اس شرمناک حرکت سے منع نہ کرتا کہ تم بے پردہ ہو کر اس ہیئت کے ساتھ کیوں جا رہی ہو۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وصال سے زیادہ تاریک دن کوئی اور ہو سکتا ہے؟ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو حضورؐ کی ابدی جدائی کا جو غم ہوا تھا اس سے زیادہ کسی اور کی جدائی کا غم ہو سکتا تھا؟ لیکن کیا آپؐ کے جنازے پر اس قسم کا کوئی منظر دیکھنے میں آیا؟ تاریخ اس سوال کا جواب نفی میں دیتی ہے۔ پس اس روایت کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کی تمام روائتیں بالکل جھوٹی اور جعلی ہیں اور حضرت امام حسنؓ کے دشمنوں نے انھیں بدنام کرنے کے لئے گھڑ لی ہیں اور روایت سازی کا یہ سارا ”کاروبار“ بنو امیہ کے عہد میں اور سلاطین بنو امیہ کے ایماء سے شروع کیا گیا۔

جس طرح حضرت امام حسنؓ کی کثرت ازدواج کے متعلق مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق یہ الزام تراشنے میں بھی بے حد مبالغہ آرائی کی گئی ہے کہ آپ کثرت سے طلاقیں دیا کرتے تھے۔ ہمیں آپ کی ساری زندگی میں دو واقعے ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ

آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ان میں سے ایک موقع وہ تھا جب حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور اس حملے کی خبر سن کر آپ کی ایک بیوی عائشہ خثعمیہ مسرت و شادمانی کے عالم میں دوڑتی ہوئی آئی اور آپؓ کو خلافت کی مبارک باد دی۔ حضرت امام حسنؓ جو اس وقت فرط غم والم سے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے اپنی اس ناعاقبت اندیش بیوی کے یہ فقرے سن کر ضبط نہ کر سکے اور اسی وقت طلاق دے دی۔

(ابن عساکر جلد چہارم ص۲۱۶)

دوسرا موقع وہ تھا جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی ایک بیوی خارجی عقیدہ رکھتی ہے اور حضرت علیؓ کو کافر سمجھتی ہے ظاہر ہے کہ ایسی عورت کو آپ اپنے حبالۂ عقد میں کیسے رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ آپؓ نے اسے یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ میں دوزخ کے انگارے کو اپنے سینے سے متصل رکھنا پسند نہیں کرتا۔ (شرح ابن ابی الحدید)

ان دو طلاقوں کے سوائے آپؓ نے اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی نہ کسی مستند تاریخ سے اس کی کوئی شہادت پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ سب بنو امیہ کے اشارے سے جھوٹے راویوں نے افسانہ طرازیاں کی ہیں جن کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں۔

سیرت و کردار

سیرت و کردار

سیدنا حضرت امام حسنؓ اُس بزرگ اور عظیم تر خانوادے کے چشم و چراغ تھے کہ فضل و کمال جس کے گھر کا پروردہ حکمت و دانش جس کے گھر کی کنیز، عفو و کرم اور حلم و بردباری جس کے گھر کی لونڈی اور فیاضی جس کے گھر کی باندی تھی۔ ان خاندانی اوصاف و کمالات سے حضرت امام حسنؓ کو بھی حصۂ وافر ملا تھا۔

حلم و بُردباری

حضرت امام حسنؓ کے ان کمالات میں ضبط و تحمل اور بردباری کو ایک خاص مقام امتیاز حاصل ہے۔ جب سے حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر کے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اس وقت سے خوارج آپ کے شدید دشمن ہو گئے تھے۔

کیونکہ وہ اپنے مذہبی عقائد کی بناء پر امیر معاویہؓ کو کافر اور غاصبِ خلافت کہتے تھے۔ اور ان کے ساتھ صلح کرنے والے کو بھی اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب تک حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح نہیں کی تھی وہ ان کے جاں نثار اور مطیع و فرماں بردار تھے مگر جب انہوں نے مصالحت کر لی تو ان کے متعلق بھی نہایت تیز و تند اور اہانت آمیز کلمات استعمال کرنے لگے۔ ان میں سے بعض خوارج حضرت امام حسنؓ کے سامنے بھی آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ان میں سے ایک شخص نے آپ کو "مذل المومنین" یعنی "مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے" کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ مگر حضرت امام حسنؓ نے اس سخت اور تحقیر آمیز فقرے کو سن کر کمال تحمل و بردباری سے جواب دیا کہ "تم نے جیسا مجھے کہا ہے میں ہرگز ویسا نہیں ہوں۔ میں نے حکومت کی طمع میں پڑ کر مسلمانوں کو خوں ریزی میں مبتلا کرنا پسند نہیں کیا۔" یہ کافی و شافی جواب سن کر خارجی خاموش ہو گیا۔

بنو امیہ میں مروان بڑا بدباطن اور دریدہ دہن شخص گذرا ہے۔ یہ اہل بیت خصوصاً حضرت علیؓ کا بڑا دشمن تھا اور سر منبر آپ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ مسجد نبویؐ میں حضرت امام حسنؓ تشریف فرما ہوتے

اور مروان آپ کی موجودگی میں بھی حضرت علیؓ کو نازیبا کلمات سے یاد کرتا۔ مگر حضرت امام حسنؓ ہمیشہ خاموشی اختیار کر لیتے۔ حالانکہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی آپ کے عقیدت مندوں اور خصوصاً بنو ہاشم کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، یہ لوگ بڑے بہادر اور حضرت امام حسنؓ کے جاں نثار تھے۔ اگر امام موصوف چاہتے تو ادنیٰ اشارے سے اس قسم کے لوگوں کی گستاخیوں کا مزا چکھا سکتے تھے مگر آپ نے ہمیشہ درگذر سے کام لیا۔

ایک بار اسی مروان نے ایک شخص کے ذریعہ چند فحش اور گستاخانہ باتیں آپ کو کہلا بھیجیں۔ حضرت امام حسنؓ نے بہ تکلیف وہ کلمات سن کر اتنا کہا کہ مروان سے کہہ دینا کہ "بخدا میں تمہیں گالیاں دے کر تمہارے دامن پر سے دشنام دہی کا داغ مٹانا نہیں چاہتا ایک روز ایسا بھی آنے والا ہے جب ہم دونوں خداوند تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ اگر تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے تو اللہ تعالےٰ تمہاری صدق گوئی کا اجر تمہیں دے گا اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو پھر وہ منتقم حقیقی ہے۔" (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ صہ ۱۸۹)

تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ ایک بار سخت بیمار ہو گئے اطباء نے آپ کو تبدیل آب و ہوا کا مشورہ دیا چنانچہ آپ اس مقصد

کے لیے موصل تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت ابن عباسؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جب موصل میں آپ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ جوق درجوق آپ کی زیارت اور ملاقات کے لیے آنے لگے۔ انہیں لوگوں میں نواحِ موصل کا ایک شخص تھا جو غالباً خارجی عقیدہ رکھتا تھا۔ صحتیاب ہونے کے بعد جب حضرت امام حسنؓ نے لوگوں کے اصرار پر نماز پڑھائی اور درس دینا شروع کیا تو نواحِ موصل کا یہ خارجی بھی آپ کے درس میں شریک ہونے لگا۔ ایک روز موقع دیکھ کر اس نے اپنے نیزے کا پھل آپؓ کے پیر میں چبھو دیا۔ پیر سے خون جاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسے پکڑ لیا۔ مگر حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ فوراً جرّاح بلایا گیا۔ اس نے زخم دیکھ کر کہا کہ جس نیزے سے زخم لگایا گیا ہے اس کا پھل زہر میں بجھا ہوا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے زخم لگانے والے کو پھر گرفتار کر لیا اور حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر عفو و کرم کے اس پیکرِ عظیم نے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو۔ (مرجح البحرین ص۱۷۲)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص شام سے مدینہ آیا اور بیان کیا کہ ایک نازک اندام شخص عربی رہوار پر چلا جاتا تھا میں نے

اپنی عمر بھر میں ایسا خوبصورت سوار کوئی نہ دیکھا تھا۔ اس کے گھوڑے کی ٹاپیں میری روح کو پامال کرتی چلی جاتی تھیں۔ جب میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے انہوں نے بتایا کہ یہ حسنؓ بن علیؓ ہے۔ مجھے ان دونوں کا نام سنتے ہی غصہ آیا اور حسد کے شعلے نے مجھے پیروں سے سر تک جلا کر خاکستر کر دیا کہ علیؓ کا فرزند ایسا ہو گیا۔ بس وہاں سے لپکا اور راہ میں ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا کہ اے سوار تو علیؓ کا بیٹا ہے۔ حضرت حسنؓ نے کہا ہاں۔ سو میں نے حضرت علیؓ کو بہت ہی بری باتیں سنائیں مگر واہ رے تحمل۔ جب تک میں حضرت علیؓ کو برا کہتا رہا آپ چپکے کھڑے سنا کئے۔ جب میں کلام پورا کر چکا تو آپ نے ہنس کر فرمایا شاید تو مسافر ہے اور شام سے چلا آتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا میرے ساتھ گھر چل تاکہ تیری مہمان نوازی میں مشغول ہوں اور اگر تیری کوئی حاجت ہو تو اسے پورا کر دوں۔ یہ سن کر میں نہایت شرمندہ ہوا اور ان کے مکارم اخلاق اور حسن عادات سے بے حد متعجب ہوا۔ اس کلام نے میرے دل کو ایسا موہ لیا کہ میں ضبط نہ کر سکا اور بے اختیار آپ کے حلقۂ اطاعت میں شامل ہو گیا۔ (سعادت الکونین فی فضائل الحسنین ص۳۳)

حضرت امام حسنؓ کے اس عدیم المثال صبر و تحمل کا مردان جیسا ظالم

اور سنگ دل شخص بھی معترف تھا۔ چنانچہ جب حضرت امام حسنؓ کا انتقال ہوگیا اور آپ کا جنازہ قبرستان کی طرف لے جایا جانے لگا تو مروان بھی ساتھ تھا وہ آپ کے جنازے پر دھاڑیں مار مار کر روتا تھا۔ حضرت امام حسینؓ اسے روتا دیکھ کر کہنے لگے کہ اب تم روتے ہو لیکن جب وہ زندہ تھے تو تم ان کے ساتھ کیا کیا نہ کرتے تھے۔ یہ سن کر مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں جو کچھ کرتا تھا وہ اُس شخص کے ساتھ کرتا تھا جس کا حلم و بردباری اس (پہاڑ) سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ (ابن عساکر جلد چہارم صفحہ ۲۱۶)

اسی قسم کے واقعات کو دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق کرنی پڑتی ہے کہ "حسنؓ کو میرا حلم اور میری صورت ملی ہے"۔

سخاوت

حضرت امام حسنؓ کی کتابِ فضائل کا دوسرا باب آپ کی داد و دہش ہے۔ حضرت امام حسنؓ فطرتاً نہایت سیر چشم، فراخ دل اور کشادہ دست واقع ہوئے تھے۔ طبیعت ایسی پائی تھی جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر سخت تکلیف محسوس کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ

سے نے مال و زر کی نعمت سے نوازا تھا۔ پانچ ہزار ماہانہ تو وہ وظیفہ باقاعدگی سے آپ کو ملتا تھا جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ذاتی جائداد کی آمدنی کئی ہزار درہم تھی پھر ایک لاکھ درہم سالانہ امیر معاویہؓ کی طرف سے ملتے تھے۔ اس کثیر دولت کا زیادہ حصہ آپ خیرات وصدقات اور مصیبت زدہ افراد کی امداد پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ زندگی میں تین مرتبہ آپ نے اپنی دولت کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا۔

(اسد الغابہ جلد دوم ص۱۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے تین بار آدھا مال اور دو بار سارا مال خدا کی راہ میں دے ڈالا۔

(سر الشہادتین ص۱۰)

حضرت امام حسنؓ کا ابرِ سخاوت دوست دشمن کے امتیاز کے بغیر سب پر برستا تھا۔ چنانچہ ایک روز ایک ایسا شخص مدینہ میں آیا جو حضرت علیؓ کے متعلق نازیبا کلمات استعمال کیا کرتا تھا۔ اسے کسی دور دراز سفر پر جانا تھا مگر نہ زادِ راہ پاس تھا اور نہ سواری۔ چنانچہ وہ مختلف لوگوں کے پاس سائل کی حیثیت سے گیا مگر کہیں کامیابی نہ ہوئی تب ایک شخص کے مشورے پر وہ حضرت امام حسنؓ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مشکل بیان کی حضرت امام حسنؓ نے اسی وقت اس کے لئے سواری بھی مہیا کر دی اور زادِ راہ کے طور پر کچھ رقم بھی دے دی۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص ۲۱۴)

ایک بار حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ راستہ میں سخت پیاس معلوم ہوئی۔ کچھ دور چل کر ایک جھونپڑی نظر آئی۔ یہ ایک ضعیفہ کا گھر تھا۔ چنانچہ تینوں حضرات اس کے گھر میں مہمان ہوئے۔ بڑھیا نے اپنے مہمانوں کی دودھ سے تواضع کی حضرت امام حسنؓ پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا کہ انہوں نے ضعیفہ سے پانی مانگا اور اس نے دودھ پیش کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ضعیفہ کسی کام سے مدینہ آئی۔ اتفاق سے راستے میں حضرت امام حسنؓ بھی مل گئے۔ آپ نے دیکھتے ہی پہچان لیا اپنے دولتکدہ پر لے گئے اور خاطر تواضع کرنے کے بعد کچھ دینار اور بکریاں اس کی نذر کیں۔ پھر اسے اپنے ہمراہ لے کر حضرت امام حسینؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان سے بھی کچھ دینار اور بکریاں ضعیفہ کو دلوائیں۔ پھر اسے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے مکان پر لے گئے اور انہوں نے بھی ضعیفہ کو کچھ دینار اور بکریاں بطور تحفہ عنایت فرمائیں۔ (مروج البحرین ص ۲۶۵)

حضرت امام حسنؓ جہاں ایک طرف بڑے فیاض اور دریا دل واقع ہوئے تھے وہاں دوسری طرف سخاوت کے معاملے میں بڑے محتاط بھی تھے اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ دولت کا غلط صرف نہ ہو۔ اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں جو مستحق ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کے لیے بہت سی رقم جمع کی اور پھر مدینہ میں اس کی تقسیم کا اعلان عام کردیا۔ اس اعلان کو سن کر لوگ آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے جن میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو اس تقسیم سے حصّہ لینے کے مستحق نہ تھے لوگوں کا اژدہام دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ رقم صرف فقراء اور مساکین کے لئے جمع کی ہے۔ حضرت امام حسنؓ کا یہ اعلان سن کر تقریبًا نصف آدمی چلے گئے۔ (ابن عساکر جلد چہارم صلا۲۱۲)

عبادت و ریاضت

سیدنا حضرت امام حسنؓ کی کتابِ سیرت کا ایک روشن پہلو کثرتِ عبادت و ریاضت بھی ہے۔ نماز سے آپ کو خاص رغبت تھی اور یہ فرض بڑے خشوع و خضوع سے ادا فرماتے تھے۔ جن دنوں مکہ میں قیام ہوتا تھا ان دنوں عصر کی نماز کے بعد بلاناغہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔

اور ہیں نماز پڑھتے تھے۔ ایک تختی پر سورہ کہف لکھوائی تھی سونے سے پہلے اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (ابن عساکر ص ۲۱۲)

حج کا فریضہ بھی آپ بڑے شغف سے ادا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؓ اپنے والد ماجد حضرت امام باقرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ باوجودیکہ آپ کے پاس کوتل گھوڑے ہوتے تھے مگر مکہ سے مدینہ تک راستہ آپ پیدل طے کرتے تھے۔ آپؓ نے پندرہ پا پیادہ حج کیے۔ (سر الشہادتین ص ۱)

ایک روز امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے حضرت امام حسنؓ کے مشاغل کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے بیان کیا کہ حضرت امام فجر کی نماز پڑھ کر طلوعِ آفتاب تک مصلے پر بیٹھے وظائف و اوراد میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کے بعد سہارے سے بیٹھ جاتے ہیں اور ملاقاتیوں سے ملتے ہیں۔ جب کچھ دن چڑھ جاتا ہے تو چاشت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر امہات المومنینؓ سے ملاقات کرنے جاتے ہیں۔ اس کے بعد گھر آتے ہیں اور کچھ دیر کے بعد (یعنی دوپہر کا کھانا کھا کر) پھر مسجد کو چلے جاتے ہیں۔ (ابن عساکر ص ۲۰۹)

خدمتِ خلق:

عبادت کے متعلق حضرت امام حسنؓ کا ایک خاص نظریہ تھا۔ آپ کا
خیال تھا کہ وہ عبادت نہیں ہو سکتی جو خدمتِ خلق سے روک دے بلکہ
آپ کے خیال میں جہاں عبادت کی معراج رضائے الٰہی کا حصول ہے
وہاں اس کا کمال یہ بھی ہے کہ انسان خدمتِ خلق کا پیکر بن جائے
چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کوئی شخص کسی ضرورت سے حضرت
امام حسینؓ کے پاس گیا اس وقت آپ اعتکاف میں تھے پس انہوں نے
اس کی خدمت کرنے سے معذرت کردی لیکن جب وہی شخص حضرت
امام حسنؓ کے پاس آیا تو باوجودیکہ آپ بھی معتکف تھے مگر آپ
نے اس کا کوئی خیال نہ کیا اور اعتکاف سے نکل کر اس کی ضرورت
پوری کردی۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت
امام حسنؓ سے عرض کیا کہ آپ کے برادر حضرت تو اعتکاف میں
ہونے کی وجہ سے اس سے معذرت کردی تھی مگر آپ اس کی
ضرورت پوری کرنے کے لئے اعتکاف سے باہر نکل آئے تو
حضرت امام حسنؓ نے جواب دیا کہ اپنے کسی بھائی کی مدد کے
رستے میں حاجت روائی کو زیادہ سے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف

سے افضل ہے۔ (ابن عساکر جلد چہارم تذکرہ حسینؓ)

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسنؓ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسی دوران میں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی ایسی فوری ضرورت کا اظہار کیا جس کے لئے حضرت امام حسنؓ کا ساتھ جانا ضروری تھا۔ آپ نے اسی وقت طواف چھوڑ دیا اور اس شخص کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اس کا کام کر کے پھر واپس آئے اور طواف مکمل کیا۔ اپنے اس اقدام کی توضیح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی حاجت روائی کے لئے جاتا ہے اور اس کی وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے تو ایسے شخص کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیا جاتا ہے۔ پس میں نے اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کر کے ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب بھی حاصل کر لیا اور پھر واپس آکر اپنا طواف بھی مکمل کر لیا۔

(ابن عساکر جلد چہارم تذکرہ حسینؓ)

حسنِ خلق

حضرت امام حسنؓ بے حد نرم خو شیریں گفتار اور حسنِ اخلاق کا پیکر تھے

کبھی کوئی سخت کلمہ آپ کی زبان سے نہ سنا گیا۔ اپنے دشمن کے ساتھ بھی شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے اور چہرۂ مبارک ہر وقت متبسم رہتا تھا۔ ابن سعد عمرو بن اسحٰق سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے سوائے کسی شخص نے ایسا کلام نہ کیا کہ وہ مجھے اتنا زیادہ بھلا معلوم ہو، جب کلام کرے اور خاموشی اختیار نہ کرے یعنی بجز حسنؓ بن علیؓ کے کوئی متکلم ایسا نہ تھا کہ جب وہ کلام کرتے تو حاضرین کا دل خاموش رہنے کو نہ چاہتا ہو۔ یہ بات حسنؓ ہی کے کلام میں پائی جاتی تھی کہ دل چاہتا تھا کہ آپ کی تقریر سنتے جائے اور یہ کسی طرح خاموش نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کا کلام خود بخود دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ (سعادت الکونین فضائل الحسنین ص۳۷)

ابن سعد نے اشعث بن سوار سے اور انہوں نے ایک اور شخص سے روایت کی کہ ایک شخص حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا جب آپ اٹھ کر کسی کام سے جانے والے تھے، حضرت امام حسنؓ نے بڑی خندہ پیشانی سے اسے مرحبا کہا اور فرمایا کہ آپ ایسے وقت تشریف لائے ہیں کہ ہم اٹھ رہے ہیں۔ کیا آپ ہمیں جانے کی اجازت دیں گے؟ (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

لوگوں کی عیب جوئی سے آپ کو سخت نفرت تھی اور کبھی کسی

کی برائی آپ کی زبان سے نہیں سنی گئی۔ البتہ اگر کسی کو کوئی ایسا کام کرتا دیکھتے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتا یا کسی کو عبادت کے کسی رکن کی ادائیگی میں غلطی کرتے دیکھتے تو اس طرح اصلاح فرماتے کہ غلطی کرنے والے کو اس امر کا احساس تک نہ ہوتا کہ آپ اس پہ معترض ہیں۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ آپ اپنے برادر اصغر حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں نماز کا وقت آگیا۔ اس لئے ایک مسجد میں گئے تاکہ وضو کر کے نماز ادا کریں۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص وضو کر رہا ہے مگر اس کا طریقِ وضو مسنونہ آداب کے خلاف ہے۔ جب وہ شخص وضو کر چکا تو حضرت امام حسنؓ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم دونوں وضو کرتے ہیں آپ ذرا دیکھتے رہیئے گا کہ مبادا ہم سے کوئی غلطی ہو جائے اگر ہم وضو میں غلطی کرنے لگیں تو ہماری اصلاح کر دیجئے گا یہ کہہ کر آپ نے وضو شروع کر دیا حتیٰ کہ جب وضو ختم کر لیا تو اس شخص کو معلوم ہو گیا کہ وضو کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ حضرت امام حسنؓ نے کس سلیقے سے مجھے میری غلطی سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس نے آپ کا بیحد شکریہ ادا کیا۔

لباس و غذا

حضرت امام حسنؑ بڑے دولت مند شخص تھے اور آپ کی سالانہ آمدنی دو لاکھ درہم سے کم نہ تھی مگر اس کے باوجود آپ کی غذا بڑی سادہ تھی یعنی جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے اور شکم سیر ہونے سے پہلے ہاتھ کھینچ لیتے تھے بعض دفعہ ایک ہی وقت کھانا کھاتے۔ غذا کی طرح آپ کا لباس بھی سادہ ہوتا۔ نفیس اور قیمتی لباس سے آپ کو قطعاً رغبت نہ تھی۔ اکثر پیوند لگا ہوا موٹے کپڑے کا لباس زیب تن فرماتے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ لباس فاخرہ استعمال نہ کیا کرو اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے لیکن آپ کا لباس پیوند زدہ اور موٹے کپڑے کا ہونے کے باوجود ہمیشہ صاف اور مثل دودھ کے سپید ہوتا تھا۔ کثافت سے آپ کو سخت نفرت تھی۔

رشد و ہدایت

عبادت و ریاضت اور خدمتِ خلق کے بعد جو وقت بچتا اسے آپ درس و تدریس اور رشد و ہدایت کے لئے وقف فرما دیتے۔ آپ کا ایک حلقۂ درس تھا جس میں بکثرت لوگ شامل ہوتے اور مختلف

مسائل کے متعلق واقفیت حاصل کرتے۔ آپ قرآن کریم کی تفسیر اور احادیث نبوی کی توضیح و تشریح میں بڑے باریک نکتے بیان فرماتے اور جو لوگ دینی مسائل کے متعلق سوالات کرتے ان کے کافی وشافی جواب دیتے۔ دین میں غلو کرنے والوں اور شخصیت کی پرستش کرنے والوں سے آپ کو سخت نفرت تھی اور ان لوگوں کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دیتے۔ آپ کے والد گرامی کے زمانے ہی میں ایسے لوگوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو حضرت علیؓ کو خدا مانتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس طبقے کے لوگوں کو پہلے تو نرمی اور سختی دونوں طرح سے سمجھایا اور اس عقیدے سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ نے انہیں بڑی عبرتناک سزا بھی دی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں نے اپنے عقائد سے توبہ نہ کی۔ حضرت امام حسنؓ کے زمانے میں بھی اس قسم کے لوگوں کا ایک گروہ موجود تھا۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ عام لوگوں کی طرح فوت نہیں ہوئے ہیں بلکہ آسمان پر چلے گئے ہیں اور عنقریب ظاہر ہو جائیں گے۔ جب ان لوگوں کا یہ غلط عقیدہ حضرت امام حسنؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بڑی سختی سے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ "خدا کی قسم یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے لوگ ہماری جماعت میں سے نہیں ہو سکتے۔

"اگر ہمیں بھی اس امر کا یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں تو ہم نہ ان کا ترکہ تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کو دوسرا نکاح کرنے دیتے۔"
(طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؓ)

علم و فضل

حضرت امام حسنؓ نے جس گھرانے میں پرورش پائی تھی وہ علم و فضل کا سرچشمہ تھا۔ گو آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ عرصہ گذارنے کا موقع نہیں ملا اور آپ کا سن مبارک آٹھ سال کا تھا کہ حضورؐ کا بابرکت سایہ آپؓ کے سر سے اٹھ گیا مگر اپنی ذہانت وذکاوت اور طباعی کی وجہ سے اس صغر سنی میں بھی آپ نے حضورؐ کی ذاتِ ستودہ صفات سے اتنا استفادہ کیا جو عام لوگوں کے لئے اس عمر میں ممکن نہیں ہے علم دین کی بہت سی باتیں آپ نے حضورؐ سے سیکھیں اور انہیں یاد رکھا۔ آپ ایسی متعدد احادیث کے حافظ تھے جو آپ نے براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ ان احادیث کو متعدد راویوں نے روایت کیا ہے لیکن آپ کی ایسی حدیثوں کی تعداد تیرہ ہے جنہیں محدثین نے صحت

کا درجہ دیا ہے۔ دعائے قنوت جو ساری دنیا کے مسلمان نماز عشاء کے آخری وتر میں پڑھتے ہیں اس کی روایت حضرت حسنؓ ہی نے براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے۔ بہت سی احادیث ایسی ہیں جو آپ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں۔ جن لوگوں نے آپ سے سن کر احادیث روایت کی ہیں ان میں امت کے بڑے جید علماء اور بعض صحابہ بھی شامل ہیں جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حسنؓ بن حسنؓ، عبداللہ، ابوجعفر، جبیر بن نصیر، عکرمہ، محمد بن سیرین اور سفیان بن لیل۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۹۵)

جن علوم میں حضرت امام حسنؓ کو خاص دستگاہ حاصل تھی ان میں علم قرآن، علم حدیث اور فقہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کے زمانے میں جو چیدہ چیدہ شخصیتیں فتوے صادر کیا کرتی تھیں ان میں آپ کا نام سر فہرست ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؓ فتوے دینے کے معاملے میں بہت محتاط تھے اور بڑے غور و فکر کے بعد فتوٰی صادر کیا کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے جو فتوے دیئے ان کی تعداد نسبتاً کم ہے۔

ایک بار لوگوں نے حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کہا کرتے ہیں کہ دولت مندی کے مقابلے میں فقر اور تندرستی

کے مقابلے میں بیماری مجھے عزیز ہے۔

یہ سن کر حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوذرؓ پر رحم فرمائے ان کا خیال نیک ہے مگر میرے نزدیک تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو اسے اللہ تعالیٰ کی پسند کردہ حالت میں رہنے کے علاوہ کسی اور حالت میں رہنے کی آرزو ہی نہیں کرنا چاہیے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

ذہانت و نکتہ آفرینی

حضرت امام حسنؓ بڑے ذہین و فصیح اللسان تھے۔ طبیعت بڑی نکتہ آفریں پائی تھی، آپ کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی اور مشورے بڑے دوررس۔ علامہ ابن قیمؒ جو اہل بیت کے متعلق روایات قبول کرنے کے معاملے میں بہت سخت تھے حضرت امام حسنؓ کی نکتہ آفرینی اور ذہانت کا ایک واقعہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں

امیر المومنین حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص کو اس حالت میں گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ اس کے ہاتھ میں چھری تھی جس میں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور پولیس نے اسے مقتول کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے

گرفتار کیا تھا جب اس کا مقدمہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ امیرالمومنین میں قاتل ہوں اس لئے اس جرم کی سزا کا مستوجب ہوں۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ اتنے میں ایک شخص افتاں وخیزاں امیرالمومنین کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یہ شخص بے گناہ ہے اصل قاتل میں ہوں۔

حضرت علیؓ نے پہلے ملزم سے پوچھا کہ جب قاتل یہ ہے تو تم نے کیوں اقبال جرم کیا۔ اس نے عرض کیا کہ امیرالمومنین مجھے جس حالت میں گرفتار کیا گیا ہے وہ ایسی تھی کہ اگر میں اقبال جرم نہ بھی کرتا تو بھی میرا بچنا محال تھا۔

حضرت علیؓ نے دریافت کیا کہ وہ کیا حالت تھی اس نے بتایا کہ میں قصاب کا کام کرتا ہوں اور جس جگہ قتل کا یہ واقعہ پیش آیا اس کے قریب ہی میں نے بکرا ذبح کیا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ پیشاب کرنے کے بعد جب میں کھڑا ہوا تو مجھے ایک لاش نظر آئی۔ میں اس کے قریب جا کر اسے دیکھنے لگا۔ اتنے میں پولیس آگئی۔ چونکہ میں مقتول کے پاس کھڑا ہوا تھا اور میرے ہاتھ میں چھری تھی جس میں سے خون ٹپک رہا تھا اس لئے مجھ پر قتل کا الزام

رکھ دیا گیا۔ میں نے سمجھا کہ ان حالات میں اگر میں ارتکاب قتل سے انکار بھی کر دوں گا تو کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ جرم کا اقرار کر لوں۔

اس شخص کا بیان سننے کے بعد حضرت علیؓ نے دوسرے ملزم سے پوچھا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اس نے عرض کیا کہ میں غریب اعرابی ہوں، میں نے مقتول کو مال و دولت کے لالچ میں قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد مجھے کسی کے پیروں کی آہٹ سنائی دی۔ اسے سن کر اپنے آپ کو بچانے کے لئے میں ایک طرف چھپ رہا۔ اس دوران میں پولیس نے آکر شخص کو گرفتار کر لیا۔ جس وقت آپ نے اس کی گردن مارنے کا فیصلہ سنایا تو میں یہاں موجود تھا۔ فیصلہ سن کر میں نے گوارا نہ کیا کہ ایک بے گناہ شخص کو قتل کیا جائے۔ اس لئے میں نے اقبال جرم کر لیا۔

دونوں کے بیانات سن کر حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ سے مشورہ کیا کہ اس مقدمے میں تمہاری کیا رائے ہے۔

حضرت امام حسنؓ نے عرض کیا کہ امیر المومنین اس نے ایک شخص کی جان تو ضرور لی ہے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ اس نے راستبازی سے کام لے کر ایک شخص کی جان بچائی بھی ہے۔ حضرت علیؓ کو حضرت امام حسنؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور انہوں نے آپ کی اصابت رائے کا

اعتراف کرتے ہوئے دونوں کو رہا کر کے بیت المال سے مقتول کا
خوں بہا ادا کر دیا۔ (الطرق الحکمیہ فی السیاست الشرعیہ ص۵۶)

حضرت امام حسنؓ کے سب سے بڑے حریف امیر معاویہؓ کو بھی حضرت
امامؓ کے علم و فضل آپ کی وسیع معلومات اور اصابت رائے کا اعتراف
تھا اور مشکل معاملات میں وقتاً فوقتاً ان سے رجوع کیا کرتے تھے
چنانچہ ایک بار انہوں نے حضرت امام حسنؓ سے دریافت کیا کہ حکمران کی
حیثیت سے ہم پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ حضرت امامؓ نے فرمایا کہ جو
فرائض حضرت سلیمان ابن داؤد علیہم السلام نے متعین فرمائے ہیں۔
امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ حضرت سلیمانؑ نے کیا فرائض متعین کئے ہیں۔
حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے ایک رفیق سے
کہا کہ تم جانتے ہو کہ بادشاہ پر حکومت کی طرف سے کیا فرائض عائد
ہوتے ہیں جن سے رعایا ضرر سے محفوظ رہے پھر اسے بتایا کہ

"ظاہر بھی اور پوشیدہ بھی خدا سے ڈرتا رہے۔ خواہ
غصہ کی حالت ہو یا خوشی کی، عدل و انصاف کا دامن
ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ ہر حال میں میانہ روی کو اختیار
کئے رہے۔ کسی کے مال پر غاصبانہ قبضہ نہ کرے اور
نہ کسی کے مال کو غلط جگہ پر صرف کرے۔ جس وقت

تک وہ ان اصولوں پر عمل پیرا رہے گا وہ ہر نقصان
سے محفوظ رہے گا۔ (یعقوبی جلد دوم صنہ ۲۷)

خطابت

سیدنا حضرت علیؓ اقلیم خطابت کے بادشاہ تھے، فصاحت و بلاغت میں رسولؐ اللہ کے بعد کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، صرف روانی اور جوشِ بیان ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی نکتہ آفرینی، نکاتِ حکمت و دانش، معرفت کے اسرار و رموز اور رفعتِ معانی کے لحاظ سے بھی آپ کے خطبات علوم کا گنجینہ اور مشعلِ رشد و ہدایت ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کشورِ خطابت کے اسی سلطان کے فرزند ارجمند اور اسی معدنِ فصاحت و بلاغت کے دُرِ آبدار تھے۔ آپ نے اپنے عظیم المرتبت والد ماجد کی زبان مبارک سے بیسیوں خطبات سنے اور ان سے فن خطابت کی تحصیل کی۔ اسی کسبِ فیض کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام حسنؓ کی زبان کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی اور آپ کے الفاظ زمزم و سلسبیل میں نکھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ جب آپ زبان کھولتے تھے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی تھی اور لوگ چاہتے تھے کہ حضرت امام حسنؓ اسی طرح تقریر کرتے رہیں۔

ایک روز حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ سے فرمایا کہ آج تم خطبہ دو تا کہ میں دیکھوں کہ تم تقریر کر سکتے ہو یا نہیں؟ حضرت امام حسنؓ نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی موجودگی میں تقریر کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فوراً اٹھے اور ایسی جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں حضرت امام حسنؓ کی نظر ان پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور ایسی فصیح و بلیغ تقریر کی کہ سننے والوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی جب حضرت امام حسنؓ اپنا خطبہ ختم کر چکے تو حضرت علیؓ آڑ میں سے نکل آئے اور فرمایا کہ

"سچ ہے باپ کی خصوصیات بیٹے میں

ضرور آتی ہیں" (البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص۳۷)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی تقریر سن کر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور ان کی پیشانی چوم لی۔ مگر اسے ہماری بدقسمتی کہنا چاہیئے کہ حضرت امام حسنؓ کے خطبات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں بیشتر خطبات ایسے ہیں جو غلط طور پر ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں ایسے خطبات چند ہی ہیں جو آمیزش سے پاک ہیں۔ ایسے ہی خطبات میں سے ذیل کا خطبہ بھی ہے جو آپ نے حضرت علیؓ کی شہادت کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔

"اے لوگو! آج کی رات ایک ایسا شخص ہم
سے جدا ہو گیا کہ جس سے علم و عمل میں نہ پچھلے بڑھ سکے
اور نہ اگلے بڑھ سکیں گے۔ اس نے رسول اللہ کے ساتھ
ہر جہاد میں حصہ لیا اور اپنے آپ کو حضورؐ پر سے قربان کرنے
کے لیے وقف کر دیا۔ وہ جس مہم پر گیا اللہ تعالیٰ نے اسے
مظفر و منصور کیا۔ اس نے اسلام کی عظمت کا نشان
قلعۂ خیبر پر لہرایا۔ اس نے اپنے پیچھے زر و جواہر یا مال
و منال کا کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا سوائے ان سات سو
درہم کے جو ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کئے تھے،
جو شخص مجھے جانتا ہے اُسے تو خوب معلوم ہے کہ مَیں
کون ہوں۔ جو مجھے نہیں جانتا اسے جان لینا چاہیئے کہ مَیں
علیؓ کا بیٹا حسنؓ ہوں، میں بشیر و نذیر ہوں"۔

حضرت امام حسنؓ کے اس خطبے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ
کھڑے ہوئے اور انہوں نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے
لوگو یہ حسنؓ تمہارے پیغمبرؐ کے نواسے اور امیر المومنین علیؓ کے فرزند ہیں
تم ان کی بیعت و اطاعت کا جوا اپنے کندھے پر رکھ لو اور ان کی محبت
کو خدا اور رسولؐ کی محبت سمجھو۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس تقریر کے بعد

حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی۔

حضرت امام حسنؓ کی دوسری قابلِ ذکر تقریر وہ ہے جو آپؓ نے امیر معاویہؓ کی پیش قدمی کی خبر سن کر مدائن کی طرف جاتے ہوئے ساباط کے مقام پر ارشاد فرمائی تھی۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا تھا کہ

"اے میری قوم کے لوگو! جو مجھ پر اپنی جان فدا کرتے ہو۔ میں اپنے پروردگار سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھ پر ہر صبح اس حالت میں طلوع کرے گا کہ میں اس کے احسان کا شکر و سپاس ادا کرتا ہوں گا۔ میں تمہیں ساری مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں نے آج تک کبھی اس حالت میں صبح نہیں کی کہ میرا سینہ کسی کی عداوت سے پر ہو۔ کسی کے ساتھ برائی کرنا تو کجا میں تو برائی کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لایا۔ میں کسی کو فریب میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا۔ میں نفاق (نفاق سے آپ کی مراد اہل شام اور اہل عراق کے درمیان کشیدگی تھی) کی اس حالت سے جسے تم محبوب تر رکھتے ہو اتحاد و اتفاق کی حالت کو بہت بہتر سمجھتا ہوں۔ جس قدر تم اپنی ذات پر مہربان ہو

میں اس سے کہیں زیادہ تم پر مہربان ہوں جو
چیز مجھے اپنے لئے پسند ہے وہی تمہارے لئے
بھی پسند کرتا ہوں۔ تمہیں لازم ہے کہ میرے حکم کی
خلاف ورزی نہ کرو۔ میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں
کہ وہ مجھے اور تمہیں اپنے رحم و کرم سے بخشش عطا فرمائے
اور راہ راست پر گامزن کر دے۔"

آپ کی تیسری اور قابل ذکر تقریر وہ ہے جو آپ نے خلافت سے دستبرداری کے وقت مجمع عام میں ارشاد فرمائی جس میں معززین کوفہ و دمشق کے علاوہ امیر معاویہؓ بھی موجود تھے۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا کہ۔

"اما بعد۔ اے لوگو اللہ تعالےٰ نے تمہارے
اگلوں کو ہماری وجہ سے ہدایت یافتہ بنایا اور تمہارے
پچھلوں کو ہمارے ذریعہ خون ریزی سے بچا لیا۔ عقلمندوں
میں سے سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جس نے
تقویٰ اختیار کیا اور سب سے بڑا بیوقوف وہ ہے
جس نے بداعمالیاں کیں۔
یہ مسئلہ خلافت جو میرے اور معاویہؓ کے

کے درمیان متنازعہ فیہ ہے اس کے مستحق معاویہ ہیں
یا میں ؟ دونوں صورتوں میں امت محمدیہ کی اصلاح
اور مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچانے کے لئے
میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔

اے معاویہؓ یہ خلافت تمہارے لئے بڑی
آزمائش ہے اور اس کی حقیقت عارضی سرمایہ سے
زیادہ نہیں ہے" (اسد الغابہ جلد دوم ص۱۴)

کلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ بڑی سے بڑی بات کم سے کم الفاظ میں بیان کر دی جائے۔ یہ خوبی حضرت امام حسنؓ کے کلام میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ آپ کی تقریروں کی سب سے بڑی خوبی اختصار اور جامعیت ہے۔ طولِ کلام کو آپ ناپسند کرتے تھے اور ہمیشہ نہایت مختصر خطبہ دیتے تھے جس میں معنی کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا خطبہ بھی اختصار و جامعیت اور معنویت کا شاہکار ہے۔ اس میں آپ نے خلافت سے دست برداری کے متعلق تین باتوں کا بڑے اختصار اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ جواب دیا ہے۔ آپ کی خلافت سے دست برداری کے متعلق بعض لوگ آپ پر کم فہمی کا الزام عاید کرتے تھے کہ آپ نے بغیر سوچے سمجھے خلافت و امارت جیسی چیز معاویہؓ کے

حوالہ کردی۔ اس اعتراض کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ عقلمندی کی تعریف یہ نہیں ہے کہ انسان کسی عہدے کے ساتھ چمٹا رہے بلکہ اصل عقلمندی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ میں نادانی کی بنا پر خلافت سے دست بردار نہیں ہوا ہوں بلکہ اس سے میرا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص سے خوش ہوگا جس نے اس کے ہزارہا بندوں کو خونریزی سے بچا لیا اور یہی سب سے بڑی عقلمندی اور تقویٰ کی صحیح تعریف ہے۔

حضرت امام حسنؓ نے اپنے اس مختصر اور جامع خطبہ میں نہایت محتاط اور حکیمانہ طریقہ سے یہ بھی بتا دیا کہ میں خلافت کو امیر معاویہؓ کا حق سمجھ کر نہیں دے رہا ہوں اسے آپ نے اللہ تعالےٰ کے سپرد کردیا اور فرمایا کہ یہ اقدام میں صرف امت محمدیہ کے لئے کر رہا ہوں ۔

اپنے اس حکیمانہ خطبے میں حضرت امام حسنؓ نے تیسری بات امیر معاویہؓ کے آئندہ فرائض حکومت کے متعلق بیان فرمائی اور انہیں بتایا کہ کوئی عہدہ و منصب حاصل کرلینا تو آسان ہے مگر اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بڑا مشکل ہے۔ خصوصاً حکومت اور امارت سب سے

بڑی آزمائش ہے کہ اگر انسان اسے ہوس پرستی اور دنیا کمانے
کا ذریعہ بنا لے تو یہ اسے بہت بڑے فتنے میں مبتلا کر دیتی ہے۔
اور اس کے جاہ و جلال کی چکا چوند اس کی دینی بصیرت سلب
کر لیتی ہے۔ اس لئے اے امیر معاویہؓ! تمہیں لازم ہے کہ
اس خلافت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے
کی کوشش کرنا بندگان خدا پہ ظلم نہ کرنا کیونکہ اس کی حقیقت
ایسے سرمایہ کی ہے جو بہت جلد ضائع ہو جاتا ہے۔

نکاتِ حکمت و دانش

سیدنا حضرت امام حسنؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر
اپنی خلافت سے دست برداری تک مذہب اور سیاست کے بے شمار نشیب و
فراز دیکھے اور انہیں بڑے بڑے تجرباتی ادوار سے گذرنا پڑا۔ انقلابات
زمانہ کے مشاہدات اور ان کے ذاتی تجربات نے ان کی فراست میں
چار چاند لگا دئے اور ان پر ایسے ایسے راز منکشف ہوئے جن سے عوام
تو عوام خواص بھی محروم رہے۔ اپنے ان تجربات کو حضرت امام حسنؓ نے
مختلف مواقع پر بڑے دلکش رنگ میں بیان فرمایا۔ حضرت امامؓ کے
ان نکاتِ دانش کے پس منظر میں وہ اخلاقی تعلیم بھی کار فرما ہے جو

آپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک، آپ کی احادیث اور حضرت علیؓ کے ارشادات سے حاصل کی حضرت امام حسنؓ کے ان اخلاقی نکات اور اسرار حکمت کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہر نکتہ کی وہ تعریف بیان کی ہے جو مروجہ اور مستعمل تعریف سے ہٹی ہوئی ہے اور جس میں ایسے معانی پنہاں ہیں جن تک عام لوگوں کی تو کیا خواص کی بھی نظر نہیں پہنچ سکی۔

مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت امام حسنؓ سے پوچھا کہ سب سے اچھی زندگی کون گذارتا ہے۔ حضرت امامؓ نے جواب دیا کہ سب سے اچھی زندگی وہ شخص گذارتا ہے جو اپنی راحت میں دوسرے شخص کو بھی شریک کر لے۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ سب سے خراب زندگی کون بسر کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ سب سے خراب زندگی وہ شخص بسر کرتا ہے جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے موت سے بہت خوف آتا ہے حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ تجھے موت سے خوف اس لئے آتا ہے کہ تو نے مال جمع کر رکھا ہے اگر اسے خدا کے راستے میں صرف کر دیتا تو خوف زدہ ہونے کے بجائے خوش ہوتا۔

ایک روز امیر معاویہؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے ابو محمد (یہ حضرت امام حسنؓ کی کنیت تھی) تین باتیں ایسی ہیں جن کی صحیح تعریف نہیں ہوتی۔ آپ نے پوچھا وہ کونسی باتیں ہیں۔ امیر معاویہؓ نے کہا مروت، کرم اور بہادری کی تعریف۔ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا کہ

مروت کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے مذہبی معاملات کو درست رکھے۔ اپنی دولت کی کڑی نگرانی کرے اور اسے بے موقع صرف نہ ہونے دے، ہر ایک کو سلام کرے اور کوشش کرے کہ لوگ اسے محبوب رکھیں۔

کرم کی تعریف یہ ہے کہ انسان بغیر مانگے عطا کرے۔ احسان اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ لوگوں کی ضیافت کرے مگر یہ بے محل نہ ہو۔

بہادری کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے ہمسایہ کا دفاع کرے جب اس پر وقت پڑے

تو اس کی امداد کرے اور مصیبت و تنگدستی میں صبر سے کام لے۔

ذیل میں آپ کے مختلف کلماتِ حکمت درج کئے جاتے ہیں جو مختلف مواقع پر آپ نے بیان فرمائے۔

اعلےٰ درجے کے اخلاق دس ہیں :۔

(۱) راستبازی

۲۔ میدان جنگ میں پوری شدت سے حملہ کرنا۔

۳۔ سائل کی احتیاج پوری کرنا۔

۴۔ لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنا۔

۵۔ جو احسان نہ کرے اس پر بھی احسان کرنا۔

۶۔ قرابت داروں سے حسنِ سلوک کرنا۔

۷۔ اپنے خاندان کی حفاظت اور اس کی حمایت کرنا۔

۸۔ حق کو پہچاننا۔

۹۔ مہمان نوازی کرنا۔

۱۰ اور شرم وحیا کا دامن تھامے رکھنا تو سب سے بڑا اخلاق ہے۔

جو ضرورت نا اہل کی امداد سے پوری ہو اس سے بہتر اس کا تشنۂ تکمیل رہنا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے تجھے جو علم عطا فرمایا ہے اس سے خود بھی فائدہ اٹھا اور دوسروں کو بھی سکھا۔ یہ دونوں باتیں تیرے علم کی حفاظت کا موجب ہوں گی۔

حسد کرنے سے دامن بچا کیونکہ میں نے جتنا حاسد کو ظالم ہوتے ہوئے مظلوم سے مشابہ دیکھا ہے اتنا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

جو عقل سے محروم ہے اس کا دامن ادب کی دولت سے بھی خالی ہے جو شخص حوصلہ نہیں رکھتا وہ مروت سے محروم ہے۔

جس کا دامن دولتِ دین سے تہی ہے اس میں شرم و حیا کا فقدان ہے عقل کا حقیقی مصرف یہ ہے کہ انسان دوسرے کے ساتھ مل کر پسندیدہ زندگی بسر کرے اور لوگوں سے اچھا سلوک کرے۔ اس طرح اسے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فائدے حاصل ہوں گے۔

جو شخص عقل نہیں رکھتا اسے دینی فلاح اور دنیوی بہبود دونوں سے محروم سمجھو۔

تین چیزیں ایسی ہیں جو لوگوں کی ہلاکت کا موجب ہوتی ہیں :-

۱۔ غرور
۲۔ حسد
۳۔ حرص و ہوس۔

غرور و نخوت نے شیطان کو بارگاہِ خداوندی سے مردود کیا۔
حرص نفس اور جان دونوں کی دشمن ہے۔
حسد ناپسندیدہ باتوں اور بداعمالیوں کی رہنمائی کرتی ہے۔
ایک روز حضرت علیؑ نے آپ سے دریافت کیا کہ ملامت کی تعریف کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ مال و زر جمع کرنا۔
پھر پوچھا کہ حلم کسے کہتے ہیں۔ عرض کیا کہ اپنے نفس پر قدرت حاصل کر لینا۔
پھر دریافت کیا کہ سیادت کی تعریف کیا ہے۔ حضرت امامؑ نے عرض کیا کہ نیک کام انجام دینا اور بُرے کاموں کو چھوڑ دینے پر قادر ہونا۔

پھر حضرت علیؑ نے دریافت فرمایا کہ اے میرے بیٹے! غفلت کی تعریف کیا ہے۔ حضرت امام حسنؑ نے جواب دیا کہ مسجد میں نماز فرض ادا کرنے کے لئے نہ جانا اور مفاسد کی پیروی کرنا۔
(یعقوبی جلد دوم ص۲۶۸ و فصول المہمہ)

ماخذ

۱۔ طبقات ابن سعد
۲۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ
۳۔ صحیح بخاری
۴۔ فتح الباری شرح بخاری
۵۔ زرقانی
۶۔ کتاب الاغانی
۷۔ اسد الغابہ
۸۔ استیعاب
۹۔ صحیح مسلم
۱۰۔ کنز العمال
۱۱۔ مسند ابن حنبلؒ
۱۲۔ تاریخ ابو الفدا
۱۳۔ تاریخ طبری
۱۴۔ فتوح البلدان
۱۵۔ سیرت ابن ہشام
۱۶۔ ابن عساکر
۱۷۔ ترمذی
۱۸۔ تاریخ الخلفاء
۱۹۔ الکامل
۲۰۔ اخبار الطوال
۲۱۔ نہج البلاغۃ
۲۲۔ مسعودی

۲۳- الفخری
۲۴- منہاج السنتہ
۲۵- عقدالفرید
۲۶- آزالتہ الخلفا
۲۷- تاریخ ادب عربی (از نکلسن)
۲۸- لیعقوبی
۲۹- مروج الذہب
۳۰- تہذیب التہذیب
۳۱- تہذیب الکمال
۳۲- مستدرک
۳۳- حاکم
۳۴- تاریخ ابن خلدون
۳۵- معارف
۳۶- ابن قتیبہ
۳۷- مرجع البحرین
۳۸- سعادت الکونین فی فضائل الحسنین
۳۹- سرالشہادتین
۴۰- الطرق الحکمیہ فی السیاست الشرعیہ
۴۱- فصول المہمہ
۴۲- البدایہ والنہایہ
۴۳- شمس التواریخ
۴۴- ناسخ التواریخ
۴۵- شرح ابن ابی الحدید
۴۶- اسپینش اسلام (ڈوزی)